العاصفة

حركة التحرير الوطني الفلسطيني

فتح

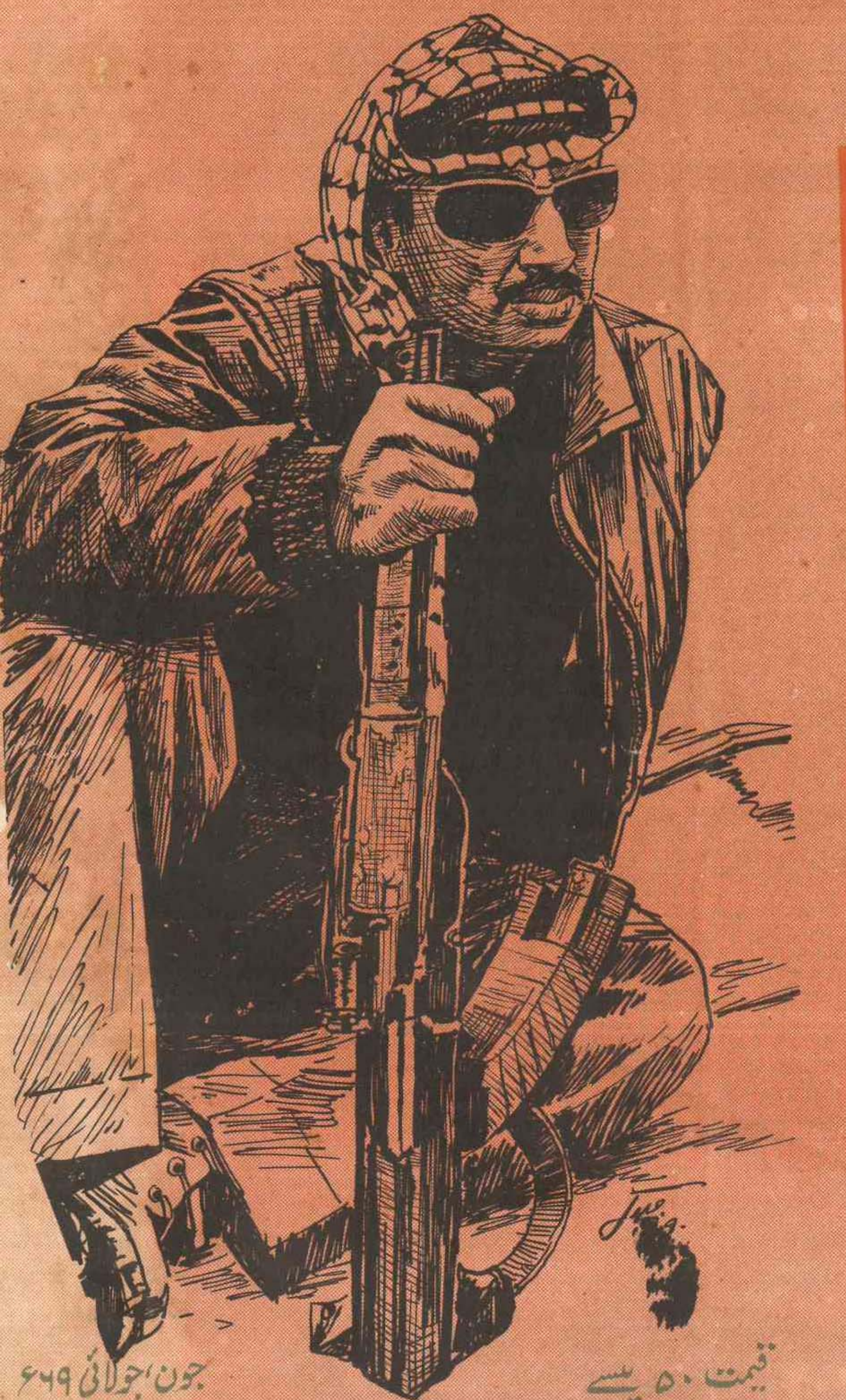

الفتح کے جوانو! کعبے کے پاسبانو
آگے قدم بڑھاؤ ظالم کا سر جھکاؤ
جانباز و کامرانو
الفتح کے جوانو

غیروں کے اس زمیں پر کب تک قدم رہیں گے
یا اب عدو رہے گا یا زندہ ہم رہیں گے
اپنے وطن میں اُونچے اپنے علم رہیں گے
غاصب کو مات ہو گی اب ختم رات ہو گی
اے صبح کے نشانو
الفتح کے جوانو

ان سامراجیوں کی جو ھاں میں ھاں مِلائے
وہ بھی ہے اپنا دشمن بچ کر نہ جانے پائے
شاہ و شیوخ کے بھی تاریک تر ھیں سائے
یہ ریشمی لبادے نازک یہ شاہزادے
اِن کو نہ اپنا جانو
الفتح کے جوانو

محکوم ہے فلسطیں ویتنام جل رہا ہے
کشمیر بھی ہمارا کانٹوں پہ چل رہا ہے
اک جتن ہے جو سب کی قسمت بدل رہا ہے
لے کر رہو فلسطیں جھپٹو مثالِ شاھیں
اے عزم کے چٹانو
الفتح کے جوانو

جون، جولائی ۶۹ء

قیمت ۵۰ پیسے

([illegible])

قائم شدہ ۱۹۴۱

پہلا سبق

روپیہ بچایئے، کل کام آیئگا

حبیب بینک لمیٹڈ

پاکستان میں ۶۲۵ سے زائد شاخیں۔

منشور

حیات و کائنات کا ترجمان

قیمت مغربی پاکستان
فی کاپی ۵۰ پیسے
سالانہ ۳ روپے

مشرقی پاکستان میں
فی کاپی ۷۰ پیسے
سالانہ ۴ روپے

مدیر
سبط اختر

جون، جولائی ۱۹۶۹ء
شمارہ ۶ - ۷

اداریہ

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو ـــــــ ۵
صحرا بہ صحرا کو بہ کو ـــــــ مارکو پولو ـــــ ۹
نوک نشتر ـــــــ سبط اختر ۱۲
تراشے ـــــــ ۱۴

مضامین

الفتح ـــــــ س ۔ و ۔ احمد ۱۹
عہد جدید اور تصوّر مملکت ـــــــ این ۔ ڈی ۔ خان ۳۳
کونسل برائے باہمی اقتصادی امداد ـــــــ شبیہ عباس ۴۰
اری ٹیریا ۔ ایک دوسرا کشمیر ۔ ایک دوسرا فلسطین ـــــــ اصغر شاہین ۴۳

افسانے

دل ہی تو ہے ـــــ خواجہ احمد عباس ۲۵
دہکتی سیپ اور ہیرے ۔ انور ۳۷
آنسوؤں کے چراغ ـــــ سیدہ حنا ۴۶

منظومات

حبیب جالب ـــــــ ۱
جمیل الدین عالیؔ ـــــــ ۱۵
حزیں لدھیانوی ـــــــ ۱۷
فارغ بخاری ۔ کرار نوری ـــــــ ۱۸
ساقی جاوید ۔ عاشق کیرانوی ـــــــ ۳۲

خبرنامہ

مزدور یونینوں کی خبریں ـــــــ ۴۹
ائیرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے خلاف دائر کردہ مقدمے کا فیصلہ ـــــــ ۵۸

سرورق

عربوں کی انقلابی تنظیم الفتح کے پرجوش قائد یاسر عرفات ـــــــ مصوّر جلال

ائیرویز ایمپلائز یونین، پی آئی اے برانچ ۔ کراچی ائیرپورٹ، فون نمبر ۴۹۱۶۹

طابع مشہور پریس کراچی

TIBET
TALCUM POWDER
KOHINOOR CHEMICAL CO., KARACHI
TIBET
TALCUM POWDER

سب کے پسندیدہ
تبت ٹالکم پاؤڈر
شادابی اور شگفتگی کے لئے

نفیس و لطیف تبت ٹالکم پاؤڈر جسم کو پھولوں کی طرح مُعطر اور
تروتازہ رکھتے ہیں اور ہر گھر میں یکساں طور پر پسند کئے جاتے ہیں۔

کوہِ نور کیمیکل کمپنی لمیٹڈ

United T.T.P. 1/69

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

پاکستان کی تاریخ میں ۷ر اکتوبر ۱۹۶۸ء سے لے کر ۲۵ر مارچ ۱۹۶۹ء تک درمیانی وقت گزرا ہے وہ آج کل قومی سطح پر غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا موضوع ا ہوا ہے مذکورہ دور میں ہر جگہ پر ہر ایک فرد حالات زمانہ سے یا تو متاثر ہوا تھا اس نے حالات کو متاثر کیا تھا۔ ویسے یہ بات قطعی الگ ہے کہ ان اثرات کا دائرہ عمل ہیں پر زیادہ اور کہیں پر کم رہا ہے۔

اس دور میں فرد واحد کے آمرانہ اختیارات کے خلاف اہل وطن نے جس میاب ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا اس سے اہم ترین بات جو بالکل واضح ہو کر سامنے ئی ہے وہ یہ ہے کہ عوام اگر چاہیں تو بڑی سے بڑی خونخوار ہستی اور اس کے میر فروش حواریوں کو چشم زدن میں تخت و تاج اور صدارت و وزارت سے محروم ور بیدخل کر سکتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اس بات کے حق دار اور اہل ہیں نکتہ ہماری قومی تاریخ کے قریب ترین اور آخری زمانے کا انتہائی انمول سبق ہے اہر ہے کہ اب بھی اگر کوئی یہ تازہ تازہ سبق بھول جائے یا بھول جانے کی وشش کرے تو پھر اس سے زیادہ کم عقل اور ناعاقبت اندیش کوئی نہیں ہوگا۔

دوسری بات جو سمجھنے اور سمجھانے کی ہے وہ یہ ہے کہ پچھلے تمام تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے عوام بھی تنظیمی طور پر اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ عوام دشمن رد کی حکومت کو ٹھکرانے کے بعد عوام دشمن طبقات کے شکنجہ سے چھٹکارا حاصل کر سکیں ور خود ایک نمائندہ اور عوامی حکومت بحسن و خوبی چلا سکیں۔ یہاں نمائندہ اور وامی حکومت سے ہماری مُراد مزدوروں، کسانوں اور ان کے بہی خواہوں کی حکومت ہے۔ کیونکہ صحیح سچی نمائندہ اور عوامی حکومت کا تصوّر مزدور کسان راج کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

پاکستان کی آبادی میں بچانوے فیصدی مزدور اور کسان ہیں لہذا پاکستان کی حکومت چلانے والے اعلیٰ اختیاراتی اداروں کے اراکین میں بھی مزدوروں اور کسانوں کے نمائندوں کی تعداد بچانوے فیصد ہی ہونی چاہیئے اس تصور حکومت کے علاوہ حاکمیت اور سلطنت کے تمام نام نہاد جمہوری، بنیادی اور آئینی تصورات عوام دشمن ہیں اور ممکن ترین لفاظی کے باوجود عوام دشمن ہی رہیں گے۔

اب رہ گئے سرمایہ دار، جاگیردار تو انہیں زیادہ سے زیادہ جمہوری حق اگر دیا بھی جائے تو صرف یہی دیا جا سکتا ہے کہ سرکاری مشینری میں ان کی تعداد پانچ فیصد رہنے دی جائے کیونکہ ملکی آبادی میں بھی ان کی تعداد بمشکل تمام پانچ فیصد ہی ہے۔ لیکن یہ بھی اس شرط پر ہونا چاہیئے کہ سرمایہ دار و جاگیردار اپنے طبقے کی تمام خصوصی مراعات سے عملاً محروم کر دیئے جائیں، حکومت اور ملک کے ذیلی انتظامی ڈھانچے کی اس ترکیب و ترتیب کے بعد ہی حقیقی طور پر جمہوریت کا نفاذ ممکن ہو سکے گا کیونکہ اس طرح اکثریت، اقلیت کو اپنے تابع رکھے گی اور مزدور کسان راج ہمیشہ ہمیشہ تک قائم رہنے کے لئے قائم رہے گا۔

آج کل ایک اور رجحان بھی پرورش پا رہا ہے وہ یہ کہ آمر مطلق کی حکومت کے خلاف جو عوامی ردعمل ہوا، وہ نہیں ہونا چاہیئے تھا یا اگر عوامی حکومت قائم نہ ہو سکی تو اسی عوام دشمن حکومت کے قائم رہنے کا معقول اور مناسب جواز موجود تھا کیا یہ باتیں صحیح ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ منفی رجحان ہے دراصل مذکورہ تحریک بیداری سیاہ کاروں کے اکیس سالہ عمل کا نتیجہ تھی جابروں کے ظلم و زیادتی کے خلاف عوامی مزاحمت تھی۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ عوام کو اپنی قوت عمل پر بھروسہ اور اعتماد مزید بڑھانا چاہیئے تاکہ عوام دشمن، عوام دشمنی کا حشر یاد رکھیں۔ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عوام طاقت کا عظیم ترین سرچشمہ ہیں اور اپنی اس خوبی و خصوصیت پر وہ جتنا ناز کریں کم ہے اسی طرح ہم نے ان دنوں یہ بھی سیکھا ہے کہ عوام یعنی مزدوروں کسانوں اور اُن کے بہی خواہوں کو اپنی اپنی صف بندی جلد از جلد کر لینی چاہیئے اور طبقاتی تنظیمیں بنا لینے کے ان مقدس فرائض کی تکمیل و ادائیگی کے بعد مزدور طبقہ کی رہبری میں اپنا فولادی متحدہ محاذ بھی قائم کر لینا چاہیئے تاکہ قیادت و حکومت کی فیصلہ کن ضمانت و حفاظت یقینی ہو جائے۔

ان باتوں کی وضاحت و صراحت کے بعد اب ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مذکورہ تحریک بیداری کے متعلق جو گمراہ کن باتیں پھیلائی جا رہی ہیں اور کوئی اسے سیلاب اور کوئی اسے عذاب قرار دیتا پھر رہا ہے۔ یہ سب آخر کیا چکر ہے؟ اس سلسلے میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ یہ تمام ہرزہ سرائیاں خود ایک سیلاب بلا ہیں۔ کوئی کچھ بھی کہتا پھرے، ہم ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ نہ ایسا کوئی تصور حکومت ہمارے لئے قابل قبول تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا جسمیں کسانوں کے نام پر جاگیردار اور مزدوروں کے نام پر سرمایہ دار حکمرانی کرنے کے ٹھیکیدار بن بیٹھیں۔ معاشی جمہوریت کے بغیر سیاسی جمہوریت قائم نہیں ہو سکتی آج جاگیرداری کے خاتمے کے بغیر مزدور سرمایہ دار سے کسی بھی قسم کا کوئی انتخاب کسی بھی حالت میں نہیں جیت سکتا۔ اگر جیت بھی لے گا تو یہ عمومی عمل نہیں بلکہ استثناء ہوگا ان حالات میں پارلیمانی یا صدارتی طرز حکومت کے لئے عام یا محدود انتخابات عوام کا ذیلی اور ضمنی مقصد ہوں تو ہوں وہ آخری مقصد نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح جاگیرداری، اجارہ دار سرمایہ داری، نوکر شاہی اور سامراجی اثرات کو عملاً ختم نہ کرنے والے کسی بھی وفاقی یا واحدانی دستور کی بحالی یا از سر نو تیاری عوام دشمنوں کا مقصد ہو تو ہو، عوام کا مقصد نہیں ہو سکتا۔

اگر موجودہ حکام سے یہ مطالبات کرنا غلط ہے تو پھر ان سے انتخابات کروانے کے لئے بھیک مانگنا بھی غلط ہے۔ محض انتخابات کا انعقاد نہ تو کوئی بنیادی مسئلہ ہے اور نہ ہی کوئی اطمینان بخش حل ہے۔ وطن عزیز کی پچھلی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ موجودہ سیاسی پارٹیوں کی ایک بڑی تعداد چوہوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ جس طرح بلی کے نہ ہونے یا ہونے کے باوجود نظروں سے اوجھل رہنے پر چوہے اپنے بلوں سے باہر نکل آتے ہیں، اسی طرح مذکورہ سیاسی پارٹیاں حکمرانوں کی گرفت ڈھیلی پڑنے پر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیتی ہیں اور جس طرح بلی کے آجانے پر سارے چوہے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح حکمرانوں کی گرفت سخت ہو جانے پر مذکورہ سیاسی پارٹیاں حواس باختہ ہو کر رہ جاتی ہیں یہ ان چوہوں کی مانند ہیں جو بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں عوامی ابھار کی قیادت اور شدت کا سہرا کسی سیاسی پارٹی کے سر نہیں باندھا جا سکتا۔ خود حکومت کے جبر و تشدد کا اولین نشانہ بننے والے صف اول کے طالبعلم اور سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں نے اس امر کا اعتراف

کیا ہے کہ تحریک بیداری طالبعلموں، وکیلوں، عالموں استادوں، ڈاکٹروں، عورتوں اور معاشرے کی فیصلہ کن قوت مزدور طبقہ کی مرہونِ منت ہے اکثر و بیشتر سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں نے تو بس یہ کام کیا تھا کہ جلوسوں کے آگے آگے چل کر اپنے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالوالئے تھے، دعوتیں اڑالی تھیں اور اخباری بیانات جاری کردیئے تھے۔ ہمارے نزدیک تاریخ گلستاں کے حاصل یہ نام نہاد رہنمایان گرامی نہیں، بلکہ وہ دیوانے ہیں جنھوں نے بھوکے رہ کر، راتوں کو جاگ کر، پولیس کے ڈنڈے اور گولیاں کھاکر جیلوں میں جاکر، لمبے لمبے تاریخی جلوسوں میں عوامی نعرے لگاکر، لق و دق صحراؤں میں عوامی بہاروں کو لانے کا اہتمام کیا تھا ——— اور آمریت کی بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا مثالی کارنامہ انجام دیا تھا ———

لیکن اب ذرا نوابزادوں کے حقہ بردار سرخیل کی دیدہ دلیری ملاحظہ کیجئے کہ وہ سیاسی اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے، یاروں کو مکھن مار رہے ہیں۔ ارے بھائی ہمارا تو یہ کہنا ہے کہ اگر ان کے نزدیک حکام وقت آزادانہ اور منصفانہ عام انتخابات کروانے کے سیاسی فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں تو پھر یہ طالب علموں مزدوروں اور معاشرہ کے دیگر مسائل کے بارے میں اصلاحات کرنے کے ذمہ دار اور پابند کیوں نہیں ہیں؟ یہ بھلا کون سی عوامی سیاست ہے کہ صحیح یا غلط، کسی بھی آدمی یا گروہ سے جمہور سے تعلق رکھنے والا ایک سیاسی مسئلہ تو حل کروانے کی توقع رکھ لی جائے لیکن جمہور سے ہی تعلق رکھنے والے دیگر معاشی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے کے مطالبے پر پابندی لگادی جائے؟

ہمارا نعرہ تو مساوات ہے، زبانی، کتابی اور دکھاوے کی مساوات نہیں بلکہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی طور پر برتی جانے والی عملی مساوات ہی عوام کی مانگ ہے کیونکہ یہ انسانی زندگی سے امن، سکون، بہتری اور طمانیت کی ضامن ہے خوشحال اور قابل رشک انسانی معاشرہ کا سنگ بنیاد مساوات ہی ہے۔ اگر مساوات نہیں تو انصاف نہیں ہوگا، امن نہیں ہوگا ترقی نہیں ہوگی خوشحالی نہیں ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ بغیر مساوات کے انسان، انسان نہیں بلکہ حیوان ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ صدہا صدیوں کی پیدا کردہ عدم مساوات چند دہائیوں میں ختم نہ ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے لیکن نیت تو باندھی جائے، ارادہ تو قائم کیا جائے۔ اگر اسلامی مساوات کے نام پر نام نہاد انتخابات کے ذریعے غیر اسلامی اور مکروہ حالات پیدا اور مسلط کئے جائیں گے تو یہ لازماً عوام کے لئے ناقابل برداشت ہونگے پیداوار آلات پیداوار اور تعلقات پیداوار کی تقسیم اور نوعیت کے معاملے میں عدم مساوات دور حاضر کی تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ پچھلے دنوں پاکستان کے عوام کی آنکھیں اس چیز کو تو خیر اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکی تھیں کیونکہ یہ چیز ابھی جھوٹی تہذیب و تمدن کی منوں مٹی تلے دبی ہوئی ہے لیکن ہاں اتنا ضرور ہوگیا تھا کہ عوام کی نظریں مذکورہ عدم مساوات کی اس جڑ سے پھوٹنے والی برائیوں اور خرابیوں تک پہنچ گئی تھیں اور کیوں نہ پہنچتیں کہ انھیں برائیوں اور خرابیوں کی بدولت اہل پاکستان زندہ درگور ہوکر رہ گئے تھے۔ عوام کے اسی مشاہدے کی وجہ سے یہ ممکن ہوسکا کہ دس سال تک افواج اور عوام کے نام پر بلاشرکت غیرے حکومت کرنے والے سابق صدر ایوب خاں پر کاہ کی طرح اڑ کر رہ گئے۔

یہ وہ عام خیالات و احساسات ہیں جنکا اظہار محبان وطن کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے اور ہم نے بھی اسی لئے پیش خدمت کردیئے کہ حق یہی ہے لیکن برسرعام ضمیر فروشی کرنے والے سیاہ کاروں کو کیا کیا جائے کہ یہ تمام گذارشات ان کے لئے تازیانوں کی حیثیت رکھتی ہیں منافع خوروں کے ناجائز مفادات کے تحفظ کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور لگادینے والے یہ محروم اقتدار بازیگر بزعم خود عوام کے نمائندے بن بیٹھے ہیں۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ مقدس مذہب اسلام اور سلطنت خداداد پاکستان کے کسٹوڈین بن جانے کے احمقانہ خواب بھی دیکھ رہے ہیں، اور یہ یکسر بھول جاتے ہیں کہ ان کی موجودہ زندگی، اسلامی تعلیمات کے قطعی منافی ہے اور انکی پچھلی زندگی تحریک قیام پاکستان کی بدترین مخالفت میں گذری ہے ذرا سوچئے تو سہی کہ دغدار ماضی اور گھناؤنے حال کے یہ پیکرانِ مجسم مستقبل میں بھی ہمارے اور آپ کے پیارے وطن پاکستان کی قسمت سے کھیلنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ یہ لوگ سابق صدر ایوب کو پانی پی پی کر کوسا کرتے تھے پھر یہ زمانہ بھی ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہی لوگ کھلم کھلا ان کی دلالی کرتے پھر رہے ہیں اور کیوں نہ کرتے کہ یہ سب کے سب زرعی اور صنعتی مزدوروں کے خون چوسنے والوں کے سیاسی نمائندے تھے بلکہ ان میں سے بہت سے تو خود ہی خون چوسنے والوں میں شامل تھے۔ جب عوامی ابھار کے سامنے ان لیڈروں کی ناؤ ڈگمگانے لگی تو یہ سب کے سب گول میز کانفرنس کے تنکے کا سہارا لینے کے لئے دوڑ پڑے اور ”من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو“ کے وہ وہ راگ الاپے کہ مستی میں خود اپنے آپ کو بھی بھلا بیٹھے۔ ادھر مزدوروں اور طالب علموں نے جب یہ دیکھا کہ ایمان و ضمیر کے پرانے اور نئے سوداگر ناموس شہیدان وطن کی خرید و فروخت پر آمادہ ہیں تو وہ بھی آپے سے باہر ہوگئے جب طوفان آتے ہیں تو ساحل نہیں رہتے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سامراج نواز جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ دار طبقوں اور ان کی گود میں پلی بڑھی نوکرشاہی کا استحصالی نظام چیخ کر رہ گیا۔ برسر اقتدار اور محروم اقتدار ظالم گروہ لرز اٹھا حالانکہ عوام کا یہ فطری غیظ و غضب غیر منظم ہی تھا بلکہ خود ان سازشیوں کی نااہلیوں کا منطقی نتیجہ تھا۔ اگر مطالبات و مسائل پیش کرنے والے عوام کو غرور و تکبر کی ٹھوکروں اور غداری و سودے بازی کے خنجروں سے نہ نوازا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ بات اتنی نہ بڑھتی۔ لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ”طمع راسہ حرف، ہر سہ تہی“ یعنی طمع کے تین حرف ہیں اور تینوں کے تینوں نکتوں سے خالی ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ ان لالچیوں کے ہاتھ کچھ نہ لگا اور یہ ہاتھ ملتے اور مسلتے رہ گئے۔

اب یہ سیاسی قحبہ گر سوتے جاگتے اور اٹھتے بیٹھتے ایک طرف تو مزدوروں اور طالب علموں پر یہ الزام تراشی کرتے پھرتے ہیں کہ مارشل لاء ان کی انتہاپسندی کی وجہ سے لگا اور دوسری طرف موجودہ مارشل لاء کی تعریف بھی کرتے رہتے ہیں مارشل لاء سے پہلے بھی ان کا عجب انداز تھا ایک طرف تو یہ پاکستانی افواج اور پاکستانی عوام کے نام پر ملک میں دس سال تک آمریت مسلط رکھنے والے نااہل ترین شخص کے ساتھ جوڑ توڑ میں مصروف تھے اور دوسری طرف اہل وطن کو مارشل لاء کے نفاذ سے ڈراتے پھرتے تھے۔ خدا جانے ان چھٹ بھیوں کا دھرم ایمان کیا ہے؟

مزدوروں اور طالب علموں پر ہنگامہ پسندی کی تہمت لگانے والے ان پیشہ ور د بازوں کے اس آخری الزام کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس ام کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی اس ملک میں کوئی ایسی قوت ہے جو ا کے ارادے کے برخلاف تاریخ پر اثر انداز ہوسکتی ہے اور ہوچکی ہے۔ اگرچند لمحوں کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ ان دھوکے بازوں کا کہنا صحیح ہے تو پھر کیا وہ یہ بتلانے کی زحمت کریں گے کہ اب خود ان کے اس دعویٰ کی کہ وہ عوام۔ قائد، پاکستان کے محافظ اور اسلام کے مفسر ہونے کے اجارہ دار ہیں، اصل حقی کیا ہے؟

جھوٹ بولنے اور بے پر کی اڑانے والے کچھ بھی کہتے پھریں، تاریخی حقیقت یہی ہے کہ سابق صدر ایوب بذات خود مارشل لاء کے نفاذ کی سب سے بڑی، بنیادی اور آخری وجہ ہیں اور ان کے بعد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ناپاک عزائم میں

ناکامی کے بعد دن دھاڑے اور چوری چھپے، ہر طرح سے ان کے ساتھ کوئلوں کی دلالی میں اپنے ہاتھ کالے کئے تھے۔

اب یہ بردہ فروش نئے سرے سے بازی کھیلنے کے موڈ میں ہیں ۱۹۵۶ء کے دستور کی بحالی کے نئے چیخ پکار کرنے والے یہ نہ بھولیں کہ انہوں نے گول میز کانفرنس میں ۱۹۶۲ء کا دستور چند ترمیمات کے وعدے پر قبول کر لیا تھا۔ جس طرح انھیں اور ہمیں وہ دستور بغیر کسی ترمیم کے ناقابل قبول تھا اسی طرح اب ہمیں ۱۹۵۶ء کا دستور بغیر کسی ترمیم کے ناقابل قبول ہے۔

ملک کے یہ دونوں دستور اپنی اصلی شکل میں حکمرانوں کی وہ تلواریں ہیں جو ہمہ وقت عوام کے سروں پر لٹکتی رہتی ہیں اور ان دستوروں کے سہارے قائم ہونے والے غیر جمہوری انتظامی ڈھانچوں کی حیثیت بھی ان ڈھالوں کی سی ہے جن کی مدد سے ملکی حکمران عوام کے غیظ و غضب سے محفوظ رہتے ہیں۔

سامراجیوں، جاگیرداروں، اجارہ دار سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے وظیفہ خوار اب لاکھ جتن کریں مگر وہ مزدوروں، طالب علموں، درمیانہ قومی سرمایہ داروں اور حقوق سے محروم افراد کو اپنی جھوٹی دوستی کے چکر میں نہیں پھنسا سکتے اور جب وہ آبادی کے اتنے بڑے حصے پر مشتمل جمہور کے دشمن ہوں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ جمہوریت کے دوست کس طرح بن سکتے ہیں؟ اسی لئے یہ جمہور دشمن، تحریک جمہوریت کے اصلی اور سچے رہنما نہ بن سکے اور اسی لئے تحریک جمہوریت کے طوفانی تھپیڑوں سے محفوظ بھی نہ رہ سکے۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ نہ تو ۱۹۵۶ء کا دستور عوام یا عوام کے نمائندوں نے بنایا تھا اور نہ ۱۹۶۲ء کا دستور عوام اور عوام کے نمائندوں نے بنایا ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ جاگیرداری، اجارہ دار سرمایہ داری، نوکر شاہی اور سامراجی غلبہ کو ختم کرنے والی دفعات کے بغیر تمام دستور عوام کے لئے ناقابل قبول ہونگے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ون یونٹ، رجواڑہ شاہی، اختیارات کی غیر منصفانہ تقسیم اور آبادی کے لحاظ سے نہ دی جانے والی موجودہ نام نہاد مساوی نمائندگی کے خاتمے کے بغیر پرانے بنے ہوئے اور نئے بنائے جانے والے تمام دستور عوام کے لئے ناقابل برداشت ہونگے اگر کسی کو ہماری ان کھری باتوں سے انکار ہے تو ہم اسے چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان ساری کالی بلاؤں کے عملی خاتمے کے بعد ان بلاؤں کی حمایت کرنے کے انتخابی پروگرام پر اس فرد کے مقابلے میں انتخاب جیت کر دکھائے جو ان بلاؤں کے خاتمہ کا طرفدار ہے ہمارا یقین کامل ہے کہ دنیا بھر کے سمندروں کا پانی خشک ہو جائیگا لیکن ہمارا یہ چیلنج قبول کرنے کے لئے کوئی آگے بڑھنے کی جرات نہیں کریگا۔

پچھلے دنوں عوامی تیور بھانپ کر جماعت اسلامی کے موقعہ پرستوں نے بھی راتوں رات ون یونٹ کے مسئلہ پر غیر جانبداری اور زمین کی حد بندی کا منافقانہ موقف اختیار کر لیا تھا۔ بھلا کون نہیں جانتا کہ یہ بدنام زمانہ جماعت ممکن ترین بے حیائی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ مشیت الہی اور اس عوامی مطالبہ کی زندگی بھر مخالفت کرتی رہی ہے کہ زمین اللہ کی ہے، بندے اللہ کے ہیں اس لئے زمین بھی اللہ کے بندوں کو ہی ملنی چاہیئے۔

ہمیں معلوم ہے کہ مئی اور جون کی اس گرمی میں کہ جب گھونسلے میں بیٹھی ہوئی چیل بھی اپنا انڈا چھوڑ بیٹھتی ہے تو اس وقت کسانوں کا ہی وہ طبقہ ہے کہ جو ایڑی تک پسینہ بہا کر اناج اگاتا ہے ہم جانتے ہیں کہ دسمبر کی اس سردی میں کہ جب سانپ بھی اپنے بل میں سکڑ کر دبک جاتے ہیں تو اس وقت کسانوں کا ہی وہ طبقہ ہے کہ جو بنجر زمین کو سرسبزی و شادابی بخشتا ہے۔ ہم واقف ہیں کہ جولائی کی اس بارش میں کہ جب تباہ کن طوفان و سیلاب سے ہر ایک پناہ مانگتا پھرتا ہے تو اس وقت کسانوں کا ہی وہ طبقہ ہے کہ جو دنیا کے بہترین چاول کی کاشت کرتا ہے

معمولی سوئی سے لے کر بڑی سے بڑی اور پیچیدہ سے پیچیدہ مشینیں، نیز بظاہر معجزہ اور عجوبہ نظر آنے والی تمام چیزیں بنانے والے بھی تو مزدور ہی ہیں زمین دوز کانوں سے ہیرے اور زمرد، دھاتیں اور کوئلے نکالنے نیز سمندروں کو کھنگالنے اور بلندیوں کو سجدے پر مجبور کرنے والے بھی تو مزدور ہی ہیں۔ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے، جنگل میں منگل کرنے، فلک بوس عمارتیں تعمیر کرنے، ہوا اور پانی کے طویل ترین فاصلوں کو سمیٹنے والے بھی تو مزدور ہی ہیں لیکن تمام کارگذاریوں کے بعد بھی جماعت کے فرض ناشناس ابن الوقت مزدوروں کے حق ملکیت کے مسئلے پر گونگے، بہرے اور اندھے بننے کے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

ان تمام آزمائشوں کے بعد بھی جماعت کے ڈھکوسلے باز کسانوں کے لئے زمین کی عارضی حد بندی کی لنگڑی لولی تجویز پیش کر رہے ہیں۔ یہ سراسر ظلم کی طرفداری ہے یہ کلیتاً لوٹ کھسوٹ کی حمایت ہے۔ ہم ایسی دستوری سفارشات، ہم ایسی بودی ترامیم، ہم ایسی کاغذی تجاویز کو جو اس ظلم اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے کے بجائے قائم و برقرار رکھیں قطعی نہیں مانتے اور نہ مانیں گے۔

فولاد کو پگھلا دینے والے مزدور اور زمین کا سینہ چیر دینے والے کسان، اپنے طبقاتی دشمنوں سے نبٹنا خوب جانتے ہیں۔ ابھی انہوں نے کروٹ لینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سارے چور اچکے ڈر کے مارے گلے میں باہیں ڈالے بیٹھے ہیں۔ ان کا یہ وہم ہے کہ مزدوروں اور کسانوں کو لوٹنے والے یہ خدمت گذار اگر آپسمیں مل جل کر بیٹھ گئے تو مزدوروں اور کسانوں کے مقابلے میں ان کا پلہ بھاری ہو جائیگا مگر ان کے چہروں کی پیلاہٹ، پیروں کی ڈگمگاہٹ اور آنکھوں کی ویرانی، صاف صاف بتلا رہی ہے کہ وہ محنت کش طبقے کے نئے بانکپن سے خوفزدہ ہیں ان کی یہ ساری بھاگ دوڑ اس امر کی چغلی کھا رہی ہے کہ ان بزدلوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہیں۔

عوام اپنے غصب شدہ حقوق کے طلب گار ہیں اور ہم حق پرست ہیں اس لئے ہمارا اور تمام عوام دوستوں کا یہ فرض ہے کہ عوامی حقوق کے حصول کی خاطر لڑی جانے والی تنظیموں کے تحفظ اور تحریکوں کے فروغ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گھات میں بیٹھے ہوئے گندم نما جو فروشوں کی تمام عوام دشمن، ملک دشمن اور اسلام دشمن سازشوں کو ناکام بنا دیں یہ تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے کہ عوامی پیشقدمی کو کسی بھی قسم کا کوئی عوام دشمن گٹھ جوڑ نہیں روک سکتا، نہیں موڑ سکتا۔

ارباب حل و عقد سے ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ اس ملک اور اس ملک کے عوام کو درپیش بنیادی مسائل سے ہم اور آپ سب ہی باخبر ہیں بائیس سال ہونے کو آئے کہ ہر آنے والا ان مسائل کے وجود اور ان کی شدت کا اعتراف کر لیتا ہے۔ مگر جہاں تک ان کو حل کرنے کا تعلق ہے وہ جب بھی نہیں کئے گئے تھے اور اب بھی حل نہیں ہوئے ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ یہ مسائل اپنا حل مانگتے ہیں۔

اس وقت ملک کے مزدوروں اور کسانوں کا یہ طبقاتی فرض ہے کہ وہ تیزی سے ملک گیر پیمانے پر اپنے آپ کو منظم کریں اور اپنی روٹی، روزگار کی تحریک کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی رہنمائی کے فرائض انجام دیں۔ جب مزدور اور کسان صنعت اور زراعت کے مشکل اور پیچیدہ شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہر چیز تعمیر اور کاشت کر سکتے ہیں تو پھر وہ سیاست و معاشرت کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے معمولی مسائل کو بھی حل کر سکتے ہیں۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے جاری کردہ احکامات کی تعمیل کرنا ہی تو مزدوروں اور کسانوں کا مقدر نہیں ہے۔ جہاں وہ ان اداروں کی تشکیل کرینگے حقدار ہیں وہاں ان اداروں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے اہل بھی ہیں۔ لیکن یہ حق اور اہلیت منوانے کے لئے مزدوروں اور کسانوں کو اپنی یہ لڑائی مراعات یافتہ اور وظیفہ خوار قسم کے سیاستدانوں یا معاشی، سیاسی اور ثقافتی طور پر اپنے طبقاتی دشمنوں سے تعلق رکھنے والے شاطروں کا محتاج بنکر نہیں بلکہ اپنے طور پر خود ہی لڑنی پڑیگی کیونکہ تاریخ عالم کا یہ تجرباتی نچوڑ ہے کہ حق دار اپنے حق کی حفاظت خود نہ کرے تو اس کا حق اور خود حق دار بھی محفوظ نہیں رہے گا۔

* * *

PHONE : 283596

GRAMS : ABITURAB.

Ahmedali M. Abdulhusain and Sons

(JODIAWALA)

HARCHANDRAI ROAD,
Opp. EYES HOSPITAL KARACHI.

*

Importers and Exporters

Commission Agent and General Order Suppliers

*

Dealing in :

ALL SORTS OF WOOD, PACKING
CASES AND FURNISHERS

سوڈان

تاریخی اعتبار سے سوڈان عظیم انقلابی روایات کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ انہی انقلابیوں کا وطن ہے جنہوں نے ۱۸۸۵ء میں برطانوی حملہ آور جنرل چارلس کو شکست دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

لیکن سامراجی سائنسی اور عسکری تکنیک کی برتری اور ان کے پالتو کتوں اور حاشیہ برداروں کی غداریوں کی وجہ سے سوڈان ۱۹۵۶ء تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہا۔ آج سوڈان رقبے کے لحاظ سے افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔

سیاسی آزادی کے حصول کے بعد بھی معاشی طور پر سامراجی اثر میں ہونے کی وجہ سے سوڈان مسلسل سامراجی ریشہ دوانیوں کا شکار رہا۔ غیروں کے ستم تو تھے ہی تھے اپنوں کے روپ میں سامراجی دلالوں نے طرفہ تماشے دکھائے۔ اور ہمیشہ عوامی حقوق کی جدوجہد اور سامراج دشمنی کو کمیونزم کا رنگ دیتے رہے یہ عیارانہ ذہنیت ایک طرف تو امہ پارٹی کے چہرے میں نظر آتی ہے۔ اور دوسری طرف معزول صدر اسمٰعیل ازہری اور اس کے ٹولے کی صورت میں بہرحال سیاست سب کی سامراجی دلالی اور عوام دشمنی ہے۔

سابق صدر ازہری اور اس کے ٹولے کی لوٹ کھسوٹ اور رشوت خوری کا یہ عالم تھا کہ پارلیمنٹ کے ممبران اسلحہ کے لائسنس گلیوں میں بیچتے پھرتے تھے پچھلے سال معزول صدر اسمٰعیل ازہری کے بارہ سالہ بیٹے اور ایک بھارتی کپڑے کے تاجر کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ بھی پکڑا گیا تھا۔ اب جب ملک میں عام انتخابات ہونے والے تھے تو رشوت خور ازہری ٹولہ خود کو مکمل شکست اور عوامی غیض و غضب سے بچانے کیلئے دائیں بازو کی سخت رجعت پسند اور سامراج نواز امہ پارٹی کی گود میں بیٹھنے کیلئے تیار تھا اور امہ پارٹی بھی مقامی رجعت پسندوں اور عالمی سامراجی آقاؤں کے اشارے پر اس عوام دشمن ٹولے کی پوری پوری حمایت پر اتر آئی تھی۔ اور اپنے آقاؤں کو عوامی طوفان کے تھپیڑوں سے بچانے کیلئے ایک بند کا کام دے رہی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر ۲۵ مئی کو مسلح افواج نے ازہری ٹولے کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

نئی فوجی کابینہ بنیادی طور پر مصر نواز سیاستدانوں اور دانشوروں پر مشتمل ہے۔

نئے وزیراعظم ابوبکر عوض اللہ نے اپنی خارجہ پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے سفارتی نمائندوں کو بتایا ہے کہ:

"جہاں تک فلسطینی عربوں کی جدوجہد آزادی کا تعلق ہے ہم اس کی خلوص دل سے حمایت کرتے ہیں۔ ہم غیرجانبدار ہیں لیکن ہم ہر اس ملک کی سختی سے مخالفت کریں گے جو اسرائیل کی مدد کرے گا۔"

داخلی امور پر انہوں نے کہا:

"سامراجیت سے رشتہ استوار کئے ہوئے سوڈانی سرمایہ کو قومیانے" کا اعلان کیا۔ یہ سوڈان کی برٹش پٹرولیم اور پٹرول کی دوسری صنعتوں کی طرف واضح اشارہ ہے۔

انقلاب کے فوراً بعد رجعت پرست سامراج نواز امہ پارٹی کے لیڈر صادق المہدی نے اپنے حاشیہ برداروں کے درمیان، "ٹائمز" کے نمائندے سے کہا کہ "ہر بغاوت کسی دوسری بغاوت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس بغاوت نے سوڈانی اصلاح کے ہمارے عزم کو مشکل نہیں بنایا ہے۔"

نئی حکومت نے سامراجی حاشیہ برداروں سے نپٹنے کیلئے پوری تیاری کر لی ہے۔ اس نے پرانے رجعت پسند سامراج نواز سیاستدانوں پر — جن میں صادق المہدی بھی شامل ہے — بغاوت اور عوام دشمنی کے جرم میں مقدمہ چلانے کا اعلان کیا ہے۔

ویسے سیاسی حلقوں میں اس خدشے کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے کہ کہیں اس حکومت کے کرتا دھرتا ترمیم پسندوں کے نرغے میں نہ جا پھنسیں، اگر ایسا ہوا تو پھر یہی کہا جائے گا کہ "آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا۔"

جنوبی ویتنام

جنوبی ویتنام کے حریت پسند عوام اور ان کی سیاسی تنظیم محاذ آزادی نے ایک بار پھر انقلابی عزم اور پہل قدمی کا اعادہ اور مظاہرہ کرتے ہوئے عالمی سامراج

اس کے حاشیہ برداروں اور روسی ترمیم پسندوں کی "امن" قائم کرنیکی سازشوں کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔

ابھی ویتنام میں جانسن اور تھیو ٹولے کی ظاہری امن اور خفیہ طور پر جنگ کی آگ بھڑکانے کی سازش کے "مڈوے" معاہدے کی روشنائی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ ویتنامی حریت پسندوں نے پہل قدمی کر کے ان کے شیش محل پر ایک اور کامیاب انقلابی پتھراؤ کر دیا۔

سائیگان کی ایک رپورٹ کے مطابق محاذ آزادی کے خفیہ ریڈیو نے انقلابی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا ہے۔ ویت کانگ کے سیاسی بازو قومی محاذ آزادی نے اپنے تمام اختیارات نئی انقلابی حکومت کے حوالے کر دیئے ہیں۔ ان میں پیرس میں امن کی بات جاری رکھنے کے اختیارات بھی شامل ہیں۔

نئی انقلابی حکومت کے چیئرمین اور وزیر اعظم ہیون تن فٹ اور مادام نگوین تھی بن کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ مادام نگوین پیرس میں امن کی بات چیت کیلئے محاذ آزادی کے وفد کی نائب رہنما ہیں عارضی انقلابی حکومت کے کل ۲۲ ممبر ہیں جن میں ۱۰ نائب وزیر بھی شامل ہیں۔

عارضی حکومت میں شامل تمام افراد محاذ کے پرانے اور آزمودہ کار ممبر ہیں۔ ان میں ایک بھی اختلافی نام شامل نہیں ہے۔

انقلابی حکومت کے چیئرمین اور وزیر اعظم ہیون تن فٹ نے امریکی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ پیرس میں انقلابی حکومت کے وفد سے کارآمد بات چیت کر کے ویتنام میں جنگ بند کرے۔

قومی حکومت نے امریکی عوام کا شکریہ بھی ادا کیا جو ویتنام میں جنگ کے خلاف ہیں۔ اس نے ان سے اپیل کی کہ وہ نکسن حکومت سے پر زور مطالبہ کریں کہ وہ ویتنام سے اپنی تمام فوجیں واپس بلا کر جنگ بند کرے، کیونکہ اس میں ہزاروں امریکی جوانوں کی جانیں بے مقصد تلف ہو رہی ہیں۔

قومی حکومت کو سب سے پہلے الجیریا نے تسلیم کیا۔ ادھر سویڈن کے اخبارات نے بھی اپنی حکومت سے ویتنام کی نئی قومی حکومت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ پاکستان کے سیاسی حلقوں میں بھی اس امر پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ کیا حکومت پاکستان عالمی بھائی چارے کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنوبی ویتنام کی قومی حکومت کو فوراً تسلیم کر کے سامراج دشمن تحریک کو زک پہنچانے کی مہم میں اولیت حاصل کرے گی یا نہیں؟

ملیشیا

اپنے متزلزل اقتدار کو بچانے کیلئے ملیشیا میں امریکی۔ برطانوی سامراجی پٹھو رحمن حکمران ٹولے نے مئی کے درمیانی دنوں میں کوالالمپور اور دوسرے مقامات پر بڑے پیمانے پر خونی فسادات کروائے۔ ان فسادات کے بہانے اس ٹولے نے ملیشیا کی مختلف قومیتوں کے عوام پر تشدد کیا اور ان کا قتل عام کیا۔ اپنی حکومت کے پچھلے بارہ سالہ دور میں یہ ٹولہ امریکی۔ برطانوی سامراجیوں کی وفاداری سے خدمت کرتا رہا ہے۔ عوام کو دھوکہ دینے کیلئے ۱۰ مئی کو اس ٹولے نے "عام انتخابات" کا ناٹک رچایا تھا۔ لیکن عوام نے ان کا بائیکاٹ کر کے اس ناٹک کی پول کھول دی۔ "عام انتخابات" کے موقعہ پر دس ہزار افراد نے ایک جوان کارکن کو گولی مار کر ہلاک کر دیئے جانے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ یہ نوجوان ۴ مئی کو رزاق۔ رحمان ٹولے کے خلاف ایک پوسٹر لگاتے ہوئے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا

ملک بھر میں خونی فسادات کروانے کے بعد "امن" بحال کرنیکے بہانے رحمن ٹولے نے ۱۴ مئی کو ملک بھر میں "ہنگامی حالت" کا اعلان کر دیا اور پورا ملک نائب وزیر اعظم رزاق کی "انتظامی کونسل" کے حوالے کر دیا۔

لیکن ملیشیا کے عوام ان فاشی اقدامات سے خوفزدہ نہیں ہوئے ہیں۔ وہ رزاق۔ رحمان ٹولے کے خلاف انتھک جدوجہد کر رہے ہیں۔

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

امریکی وزیر خارجہ کا دورہ ایشیا

امریکی وزیر خارجہ ولیم راجرس نے ابھی حال ہی میں چند ایشیائی ملکوں کا دورہ کیا انہوں نے تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں کہا ہے کہ "آج کل کچھ حلقوں میں اس قسم کی بات چیت ہو رہی ہے، جیسے ہماری پالیسی میں کوئی تبدیلی آ رہی ہے لوگ کہہ رہے ہیں کہ صدر نکسن کو ایشیا میں دلچسپی نہیں رہی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسئلہ یہ نہیں ہے۔" انہوں نے کہا کہ ہم اپنا لہجہ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم اپنے لہجے کی شدت کو نرمی سے بدلنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایشیا چھوڑنے والے ہیں۔"

اگر ولیم راجرس کے اس بیان اور صدر نکسن کی ۱۴ مئی کی تقریر کا موازنہ کیا جائے تو دونوں کی گفتگو میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے۔ صدر نکسن کی تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ وہ نہ صرف ویتنام کی جنگ ختم کرنا چاہتے ہیں ـــ بلکہ اس قسم کے حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ دنیا بھر میں ویتنام قسم کی کوئی جنگ نہ ہو۔ اور ان کے وزیر خارجہ صاف واضح الفاظ میں اعلان کر رہے ہیں کہ امریکی سامراج ایشیا کی لوٹ کھسوٹ اور بے غیرتی سے بدامنی پھیلانے کی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا۔

امریکی وزیر خارجہ کا بیان واضح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ جب امریکی اجارہ داروں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ وہ ہتھیاروں کی زبان میں بات کر کے نہیں جیت سکتے تو وہ دوغلے پن پر اتر آئے ہیں۔ راجرس نے پہلے کہا کہ امریکہ "لہجہ بدلنے کی کوشش کر رہا ہے" "تاکہ" وہ ناراضگی کا باعث نہ ہو"

لیکن ایشیا کے خلاف امریکی جارحیت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ امریکہ ان علاقوں سے "دستبردار" نہیں ہوگا۔ جن پر اس کا قبضہ ہے۔ اس کو اگر وضاحت سے پیش کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب امریکی جارحیت کے طریقوں میں اور زیادہ چالاکی اور فریب سے کام لیا جائیگا۔ خوبصورت الفاظ کے جال بُنے جائیں گے لیکن ایشیا کے خلاف جارحانہ پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی ایک اور بیان میں راجرس نے کہا کہ "صدر نکسن ایشیا میں امریکی ذمہ داریوں سے پہلوتہی نہیں کریں گے وہ ایشیا نہیں چھوڑیں گے۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ سامراجی جنگباز ایشیا کو ایک ہی نوالے میں ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایک طرف تو ایشیا میں امریکی سامراجی جارحیت کے خلاف ایشیائی اور امریکی عوام کی جدوجہد روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی ہے، جس کی وجہ سے امریکی سامراج نے خود کو ہر جگہ کے عوام کا دشمن بنا لیا ہے، اور عوام نے اس کا محاصرہ کر کے اس پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دئے ہیں۔ اور دوسری طرف امریکی سامراج سیاسی اور معاشی بحران کا شکار ہو کر داخلی اور بیرونی مشکلات میں پھنس گیا ہے۔ اس کی خواہشات اس کی قوت سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ وزیر خارجہ نے بھی اپنے ایک بیان میں کہا "امریکہ کو اندرونی اور بیرونی طور پر بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔" نکسن ایک ایسے وقت میں صدر بنا جب امریکہ تیزی سے تنزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ انتہائی دوغلی اور پُرفریب پالیسیاں بنا رہا ہے، وہ ایک "امن دوست" کا روپ دھار کر امریکہ اور تمام دنیا کے عوام کو بیوقوف بنا رہا ہے تاکہ تمام دنیا میں امریکی جارحیت پر پردہ ڈالا جا سکے۔

ایشیائی عوام کو امریکی جارحیت پسندوں سے ان تمام مقامات کو چھوڑنے کا مطالبہ کرنے کا حق ہے جن پر انہوں نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ نکسن اور راجرس دونوں کہتے ہیں کہ امریکہ ایشیا میں اپنی مقبوضات سے دستبردار نہیں ہوگا۔ اور وہ انھیں "چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہے"۔ ایک کہتا ہے کہ امریکہ کو ان علاقوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ دوسرا کہتا ہے "امریکہ ان مقبوضات کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہے"۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے جو ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ تضاد امریکی سامراج اور ایشیا کی جارحیت کی شکار قوموں کے درمیان ہے یہ ایک ایسا تضاد ہے جسے نہ لاکھوں کی تعداد میں مسلح جنگجو فوجی حل کر سکتے ہیں اور نہ لہجے کی تبدیلی اسے حل کر سکتی ہے یہ تضاد صرف ایشیا کے کروڑوں عوام ہی اپنی سامراج دشمن قومی جدوجہد آزادی سے حل کر سکتے ہیں

صدر نکسن اور راجرس کے بیانات سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ لوگ امریکی سامراجی اجارہ دار سرمایہ داروں کے بنیادی مفادات کی حفاظت اور فروغ کیلئے اپنی چالبازیوں میں تبدیلیاں کر رہے ہیں۔

ایک اور ناکام کوشش

حال ہی میں لندن اور بروسلز میں نیٹو کے وزرائے دفاع کی سہ روزہ کانفرنس ہوئی تاکہ اس جارحانہ بلاک کی فوجی قوت کو مضبوط کیا جا سکے۔ لیکن دوسرے ممبر ملکوں پر ہتھیاروں کی دوڑ تیز کرنے اپنے فوجی بجٹ میں اضافہ کرنے کے دباؤ کی امریکی کوشش کی ان ملکوں کی طرف سے بہت سخت مخالفت ہوئی۔ امریکی سامراجی اپنے ان "اتحادیوں" کی اس حکم عدولی پر سخت برہم ہیں لیکن وہ اس سلسلے میں کچھ کر نہیں سکتے۔

معاشی اور سیاسی بحرانوں میں مبتلا بہت سے مغربی ملکوں نے امریکی وزیر دفاع مسٹر لیارڈ کی اپیل پر بالکل کان نہ دھرے۔ بروسلز میں نیٹو کے ۱۴ ممبر ملکوں کے وزرائے دفاع کے ۲۸ مئی کے اجلاس میں — جو ۱۹۷۱-۷۵ء کی نیٹو کی "دفاعی" منصوبہ بندی کے سلسلے میں ہوا تھا بہت سے شرکاء نے ہتھیاروں کے پھیلاؤ اور جنگی تیاریوں کی "مزید ذمہ داریاں" کا بار اٹھانے سے صاف انکار کر دیا۔ ایک مغربی خبر رساں ایجنسی کے مطابق "فوجی بجٹ میں کسی بھی قسم کی زیادتی کی تجویز کو بالکل رد کر دیا گیا۔"

امریکی سامراج پر سب سے زیادہ بوکھلاہٹ کنیڈا کے وزیر دفاع کے اس نوٹ سے طاری ہوئی جس میں اس نے نیٹو سے کنیڈا کی فوجوں کو واپس بلانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس مثال کی وجہ سے دوسرے ملکوں کی طرف سے اسی قسم کے اقدامات کئے جانے کے خطرے کے پیش نظر امریکی وزیر دفاع نے کنیڈا کے وزیر دفاع پر کھلے بندوں دباؤ ڈالا کہ وہ اپنی تجویز پر نظر ثانی کرے۔ لیکن کنیڈا نے ہر قسم کے امریکی دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا۔ میٹنگ کے بعد کنیڈا کو بہت اخراجات اٹھانے پڑ رہے ہیں" اور نیٹو سے فوجوں کو واپس بلانا کنیڈا کی آزادی اور خودمختاری کا ہی ایک مسئلہ ہے جس کا اسے حق ہونا چاہئے۔ اس نے مزید کہا کہ کنیڈا کی حکومت اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔ ایک ایسے وقت میں جب امریکی سامراج اپنے "اتحادیوں" سے نیٹو کی "دفاعی قوت" بڑھانے کی مسلسل "درخواستیں" کر رہا ہے۔ کنیڈا کا یہ اقدام اس پر ایک کاری ضرب ہے۔

کنیڈا کے علاوہ کئی اور یورپی ملک بھی اسی قسم کے اقدامات کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ میٹنگ کے فوراً بعد ڈنمارک کے وزیر دفاع نے کوپن ہیگن میں ۳۰ مئی کو کہا کہ "ہالینڈ یا بلجیم" دونوں ملکوں میں سے کسی ایک ملک نے مغربی جرمنی سے اپنی فوجیں واپس بلانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

بروسلز میٹنگ کے بعد امریکہ، برطانیہ، مغربی جرمنی، اٹلی، بلجیم، ترکی اور ڈنمارک کے وزرائے دفاع نے لندن میں ۲۹ اور ۳۰ مئی کو نیٹو کے "ایٹمی

(باقی ص ۳۵ پر)

سبط اختر

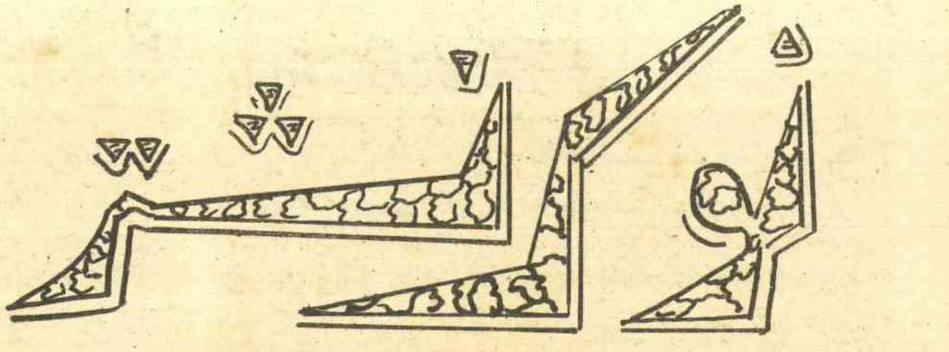

آپ نے کبھی جھوٹے کو سچ بولنے کی نصیحت کرتے دیکھا ہے۔؟ کسی چور کو ایمانداری کا پرچار کرتے سنا ہے۔؟ کسی غنڈے بدمعاش کو شرافت کی تبلیغ فرماتے ہوئے پایا ہے۔؟ کسی قاتل ڈاکو کو عدم تشدد کا درس دیتے سنا ہے۔؟ اگر آپ نے واقعی یہ سب کچھ نہیں دیکھا ہے تو پھر آپ جماعت اسلامی کا قریب سے مشاہدہ و مطالعہ کر کے اپنی زندگی کے انتہائی دلچسپ تجربات کیجئے۔

پاکستان میں ہٹلر کے فاشی فلسفہ کی واحد پیروکار جماعت کے امیر اعلیٰ مودودی صاحب اسلام کی ٹھیکہ داری تو لئے ہوئے تھے ہی۔ اب موصوف نے اخلاقیات کی دوکان بھی سنبھالی ہے اور اس تازہ بزنس کے فروغ کے لئے جگہ جگہ مال کی نمائش شروع کر دی ہے اور ساتھ ہی ایک فہرست بھی اخبارات میں شائع کرا دی ہے تاکہ مودودی اخلاقیات کے خریداروں کو سہولت رہے۔ ابھی بزنس نئی نئی شروع کی ہے۔ اخباری تشہیر کے علاوہ اپنے دوسرے مخصوص طریقوں سے بھی پبلیسٹی کی جائیگی مگر اس کیلئے انتظار کرنا پڑیگا۔ فی الحال تو نئی دوکان پر "سیاسی اخلاقیات مرچنٹ" کا سائن بورڈ لٹکایا گیا ہے کہیں آپ دھوکہ میں آکر "انسانی اخلاق" خریدنے نہ پہنچ جایئے گا۔ میرا اشارہ اس ضابطۂ اخلاق کی طرف ہے جو ابھی حال ہی میں سامراجی ایجنٹ سیاسی جماعت کے خود ساختہ امیر مودودی صاحب نے سیاسی جماعتوں کے لئے مرتب کیا ہے۔ اس ضابطہ اخلاق کا مطالعہ کرتے وقت اس کے مرتب اور ان کے چیلوں کے اپنے اخلاق بھی پیش نظر رہنے ضروری ہیں ورنہ یہ مال تو آپ کو مل جائیگا مگر بہت مہنگا ملیگا۔

آپ نے وہ مثل تو سنی ہوگی نو سو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی بلّی نے تو خیر نو سو چوہے پورے کر لیئے تھے اور چوہے کھانا چھوڑ دیئے تھے مگر مودودی صاحب تو ابھی حرکتیں بھی نہیں چھوڑتے اور حج کرنے بھی چل دیئے۔ دوسروں کے لئے ضابطۂ اخلاق مرتب کرنے والے اس سامراج و جاگیرداروں کے دلال اور اس کی ٹولی نے خود کیا کیا نہیں کیا ہے۔ آیئے ذرا اس ضابطۂ اخلاق پر ایک نظر تو ڈال لیں۔

۱۔ کسی شخص کو نظریۂ پاکستان یعنی زندگی کے اسلامی جمہوری نظام اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف کچھ کہنے یا کرنے کی اجازت نہ ہو۔" نظریۂ پاکستان کی بات اور حضرت مودودی کیا خوب۔ قبلہ یہ وہی پاکستان تو ہے جس کو حضرت "کافرستان" مسلمانوں کی کافرانہ اسٹیٹ اور "مسلمان باورچی کے پکائے ہوئے سوّر سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ آپ کون سے نظریۂ پاکستان کی بات کر رہے ہیں کیا یہ ہے نظریۂ پاکستان کہ گیارہ کروڑ عوام تو دن رات محنت کر کے دولت پیدا کریں اور آپ کے چند جاگیردار اور سرمایہ دار آقا اسے سمیٹ کر اپنے گھر لے جائیں۔؟ اور اسلامی جمہوری نظام سے آپ کا کیا مطلب ہے۔؟ آپ تو ایک ہزار میں سے ایک کو بھی بمشکل مسلمان تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ اور پھر ایسے گندے معاشرے میں جمہوریت کو آپ زہریلے دودھ سے مکھن نکالنا کہتے تھے۔ پھر اب آپ کو اسلامی جمہوری نظام کیسے یاد آگیا۔ کیا گنتی کے چند اجارہ دار سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو کروڑوں عوام کی لوٹ کھسوٹ کی آزادی دیدینا ہی اسلامی جمہوری نظام ہے؟ جہاں تک پاکستان کی سالمیت کے خلاف کچھ سننے کہنے یا کرنے کا تعلق ہے، مودودی صاحب اور اُن کے چیلے چانٹوں سے ہم یہ کہیں گے کہ خود اپنے ہی گریبان میں منہ ڈال کر جھانکیں۔ دوسروں کو پاکستان کی سالمست برقرار رکھنے کا درس دینے کے پردہ میں آپ اپنے ادپر سے سامراج کے ساتھ پاکستان کا سودا کرنے کی سازشیں کرنیکا الزام نہیں چھپا سکتے۔

ضابطہ نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ دوسری جماعتوں پر نکتہ چینی کرتے وقت شائستگی ملحوظ خاطر رہے، جھوٹے یا گمراہ کن پروپیگنڈے سے احتراز کیا جائے، نازیبا زبان استعمال نہ کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ کتنا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب یہ ضابطۂ اخلاق جاری کرنے سے کچھ دن پہلے اپنے اندر یہ شائستگی وغیرہ قسم کی چیز پیدا کر لیتے۔ یہ جو ابھی کچھ دن پہلے لوگوں کی زبانیں کھینچی جا رہی تھیں اس میں کونسی شائستگی تھی۔ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی تصنیف کو جلا کر اسے قرآن شریف کا نام دے کر پروپیگنڈہ کرنے کو آپ کس خانے میں رکھیں گے۔ ذرا اپنے لاہور کے کارندوں سے پوچھ کر ہمارے اس سوال کا جواب دیجئے۔

مودودی صاحب نے ایک ضابطہ میں یہ بھی کہا ہے کہ کسی کو دوسری جماعتوں کے جلسے منتشر کرنے یا جلوسوں و مظاہروں میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں۔" با کسی اور کو تو کوئی حق نہیں مگر آپ کو اور آپ کی ٹولی کے افراد کو یہ حق حاصل ہے لاہور میں چھوٹے چھوٹے طالب علم جلوس نکالیں تو آپکے خاص الخاص چیلے دفتریں چھ لاٹھیاں نکال کر ان معصوم بچوں پر پل پڑیں۔ پنڈی میں طالب علم ایک مقتدر سیاسی رہنما کا استقبال کرنے کے لئے جمع ہوں تو آپ کے پہلے سے تیار اور مسلح غنڈے ان پر حملہ کر دیں۔ لاہور میں ایک بزرگ سیاسی رہنما کے پُرامن جلسہ عام کو آپ کے احکامات پر آپ کے کارندے درہم برہم کرنے کی ناکام کوشش کریں، اس پر پتھراؤ کریں۔ ملتان میں آپ کے نام نہاد صالحین کتابوں کی دوکانوں کو آگ لگا دیں اور اسمیں قرآن شریف کے کئی نسخے نذر آتش کر دیں یہ سب معاف ہے کیونکہ یہ آپ اور آپ کے پالتو لوگوں کا معاملہ ہے۔ اور آپ دوسرے لوگوں کو نصیحت کرنے کے لئے ضابطۂ اخلاق جاری فرماتے رہیں۔ کاش کہ مودودی صاحب نے یہ ضابطۂ اخلاق مرتب کرنے سے پہلے خود اپنی ٹولی کی گذشتہ پانچ ماہ کی کارگزاری اپنے سامنے رکھ لی ہوتی۔

ایک اور ضابطے میں کہا گیا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ غیر جمہوری یا انقلابی طریقۂ کار کا پروپیگنڈہ کرے۔ حضرت آپ کس قدر "جمہوریت پسند" ہیں یہ تو آپ ہی کی زبان میں واضح کیا جا چکا ہے۔ مگر ایک سوال پوچھنا ہے کہ جب کوئی شخص روٹی کے لئے بھی جمہوریت کی بات کرتا ہے تو آپ کے مرچیں کیوں لگتی ہیں جمہوریت تو مکمل شکل میں جمہوریت ہوتی ہے۔ آدھی جمہوریت کس کام کی۔ جہاں تک انقلابی طریقۂ کار کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کتنے ہی اسلامی ممالک انقلابی طریقۂ کار کے ذریعہ ہی جمہوری شکل میں آئے ہیں انقلاب کے نام سے اب آپ کو اس وجہ سے وحشت ہونے لگی ہے کہ یہ انقلاب آپ کے سامراجی آقاؤں کے مفادات کے خلاف ہے۔ مگر حضرت انڈونیشیا میں لاکھوں مسلمانوں کو جب قتل کیا جا رہا تھا تو آپ نے زبان نہیں کھولی تھی بلکہ آپ تو خوشی سے بغلیں بجا رہے تھے مگر خیر آپ اور آپ کے آقاؤں کے لئے سب کچھ جائز ہے اور اسی حساب سے آپ اب تک پاکستان میں خود بھی ہر قسم کی عوام دشمن اور جمہوریت دشمن کارروائیاں کرتے رہے ہیں۔

جہاں تک تشدّد کے طریقے اختیار کرنے والی جماعت پر پابندی لگانے کا تعلق ہے اس تجویز سے ہم بالکل متفق ہیں۔ مگر حضرت مودودی سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ قبلہ یہ ڈیموکریٹک یوتھ فورسس اور اسی قسم کی دوسری غنڈہ عناصر پر مشتمل نیم فوجی تنظیمیں کس مقصد سے قائم کی گئی ہیں کیا لوگوں پر گولیاں برسا کر اور لاٹھیاں چلا کر انہیں تشدّد نہ کرنے کا سبق پڑھایا جائیگا۔ ایک طرف ساہیوال کے اسٹیشن پر ایک چھیاسی سالہ مقتدر سیاسی رہنما پر قاتلانہ حملہ کرایا جائیگا اور دوسری طرف اپنے مخالفین کو تشدد نہ کرنیکا مشورہ دیا جائیگا۔ کیا خوب۔ ذرا یہ مشورہ دینے سے پہلے آئینہ ہی دیکھ لیا ہوتا۔

مودودی صاحب نے ایک تجویز یہ بھی رکھی ہے کہ جو جماعت دوسروں کو انتخابات میں حصّہ نہ لینے دے اس کو سیاست میں حصّہ لینے کا نااہل قرار دیا جائے۔ اب حضرت ہمیں یہ تو بتادیں کہ کیا آپ کے اس سرمایہ دار معاشرہ میں مزدوروں کو اپنے طبقاتی پروگرام کے ساتھ حصّہ لینے کی اجازت ہے۔ آپ کی اس تجویز کی روشنی میں خود آپ کی جماعت اور آپ کی جیسی دوسری تمام جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور سامراجیوں کی نمائندہ جماعتوں کو سیاست میں حصّہ لینے سے نااہل قرار دیدیا جانا چاہیئے کیونکہ آپ مزدوروں اور کسانوں کو انتخابات میں کب حصّہ لینے دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ عوام کے حقوق اور مفادات کے خلاف پروگرام لیکر کوئی بھی عوام کا نام نہاد نمائندہ بننے کے واسطے انتخاب میں حصّہ لے گا تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے گلے میں پڑنے والا پھندا خود جلاد کے گلے میں ڈالدیں۔ یہ ملک یہاں کے پچانوے فیصدی مزدوروں اور کسانوں کا ہے ان طبقات کے مفادات کے خلاف اور انکی قیمت پر انتخاب لڑنا یقیناً ایک ڈھونگ ہے ہاں ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے ہر طرح کا انتخاب یقیناً ہونا چاہیئے اور اس انتخاب میں رکاوٹ ڈالنے والے فرد یا جماعت پر پابندی عائد ہونی چاہیئے۔

ضابطۂ اخلاق میں مودودی صاحب نے ایک تجویز بہت ہی دلچسپ رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ تمام جماعتوں اور امیدواروں کو انتخابات کے دوران اور انتخابات کا اعلان ہونے کے بعد روپیہ پیسہ دیکر یا دوسرا لالچ دیکر ووٹ نہیں خریدنا چاہیئے اور سرکاری دباؤ ڈالکر یا پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں پر دباؤ ڈال کر ووٹ نہیں حاصل کرنا چاہیئے اور ووٹر کے نسلی، لسانی، علاقائی یا فرقہ وارانہ جذبات نہیں ابھارنے چاہئیں۔ تجویز بہت معقول ہے یعنی انتخابات کا اعلان ہونے سے پہلے پہلے ساری سیاسی سودے بازی ہوجائے وہ جائز ہے۔ جماعت کے دفتر میں بلا کر لوگوں کو پیسے دیکر ان سے جماعت کے لئے حلف وفاداری اٹھوالیا جائے، لوگوں میں پنجابی، مہاجر، بنگالی، پٹھان کا تعصب بلا دریغ پھیلایا جائے، سنی شیعہ، ہندو مسلمان کے جھگڑوں کو خوب فروغ دیا جائے اور اس طرح عوام کے درمیان نفرتوں کے بیج بوکر سکون کے ساتھ انتخابات میں حصّہ لیا جائے اور عوام کے حقوق پر جمہوریت کے نام پر ڈاکہ ڈالا جائے اور اپنے سامراجی آقاؤں کا حق نمک ادا کیا جائے۔ لیکن انتخابات کے دوران اور انتخابات کے بعد یہ سب کچھ نہ کیا جائے خوب رہی بھئی خوب رہی۔

جماعت اسلامی کی طرف سے مودودی صاحب کا مرتب کردہ ضابطۂ اخلاق ہم نے پیش کردیا ہے۔ عوام اس ضابطۂ اخلاق کے مقابلے میں مودودی صاحب کی جماعت کو رکھ کر دیکھ لیں اور بتائیں کہ کیا اپنے اس پھندے میں صیاد خود نہیں پھنس رہا ہے ہماری رائے یہ ہے کہ خود مودودی صاحب کے مجوزہ ضابطۂ اخلاق کی روشنی میں جماعت اسلامی پر پابندی عائد کرکے اس کے سارے خودساختہ رہنماؤں کو امریکہ یا اسرائیل برآمد کردیا جائے۔ اس طرح برآمدی تجارت میں اضافہ ہوگا اور آقا اور بندے ایک ہی جگہ رہیں گے۔

الیکٹرک موٹرز۔ سوئچ اسٹارٹر
پمپنگ سیٹ۔ جنریٹنگ و
دیگر متعلقہ مشینری کے لئے رجوع فرمائیں
کریسنٹ انجینیرز
بالمقابل سندھ مدرسہ ٹاور، فریئر روڈ — کراچی ۱

بندہ ایمان کے حقیقی رتبے تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ تمام انسانوں کے لئے وہی بھلائی نہ چاہے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہے ———— حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

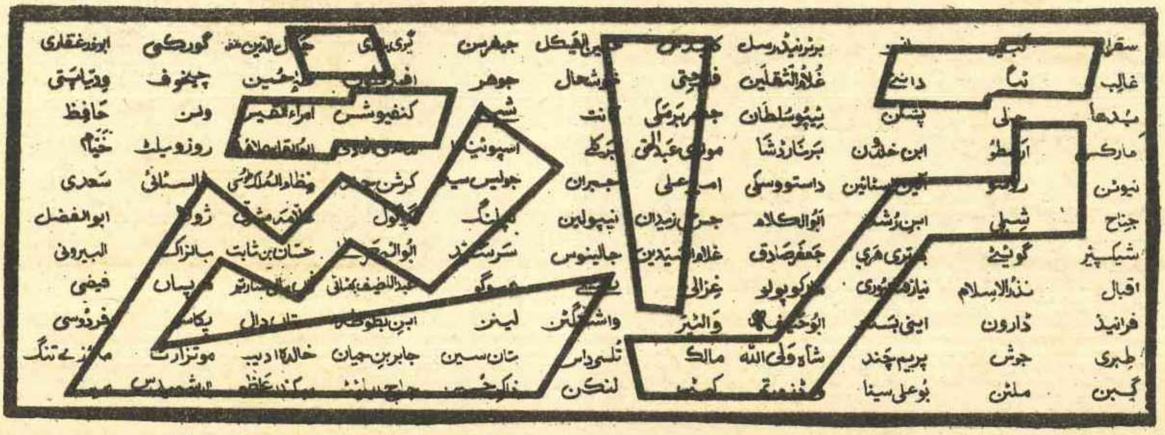

کبیر
برٹرینڈ رسل
جیفرسن
گورکی
ابوذر غفاری
غالب
دانتے
غلام الثقلین
جوہر
چیخوف
ودیاپتی
بدھا
پشکن
ٹیپو سلطان
کنفیوشس
امراء القیس
ولسن
حافظ
مارکس
ابن خلدون
برنارڈ شا
اسپونیزا
روزویلٹ
خیام
نیوٹن
داستووسکی
جبران
جولیس سیزر
کرشن چندر
نظام الملک طوسی
السنائی
سعدی
جناح
شبلی
ابوالکلام
نیپولین
ابوالفضل
شیکسپئر
گوئٹے
جعفر صادق
جالینوس
سر سید
حسان بن ثابت
البیرونی
اقبال
نذر الاسلام
عبداللطیف بھٹائی
فیضی
فرائیڈ
ڈارون
والٹیر
لینن
ابن بطوطہ
فردوسی
طبری
جوش
پریم چند
شاہ ولی اللہ
مالک
تلسی داس
تان سین
جابر بن حیان
خالدہ ادیب
موتزارٹ
ماؤزے تنگ
گبن
ملٹن
بوعلی سینا
لنکن

اگر تو کسی ایک شخص کی بھی تکلیف دور کرے تو یہ زیادہ بہتر کام ہے، بہ نسبت اس کے کہ تو حج کو جائے اور راستے کے ہر پڑاؤ پر ایک ایک ہزار رکعت نماز پڑھتا جائے ———— شیخ سعدیؒ

آنریبل کہنے سے کوئی شخص باعزت نہیں بنتا بلکہ اعمال اسے باعزت بناتے ہیں ———— لیاقت علی خان

بدکلامی جانوروں تک کو پسند نہیں ———— گوتم بدھ

اس خیال سے میں بے حد غمگین ہوں کہ انسان نے انسان کو کیا بنا ڈالا ہے ———— ورڈز ورتھ

انسانیت کا سنگیت صرف آزادی کے ساز سے پھوٹتا ہے ———— سبھاش چندر بوس

اتحاد اور اتفاق دنیا کو تسخیر کرنے والی قوتیں ہیں ———— ابن ایمینس خراسانی

احتیاط دانشمندی کی سب سے بڑی بیٹی ہے ———— وکٹر ہیوگو

حد سے زیادہ مخلص نہ بنو، دراصل خلوص دو دھاری تلوار ہے۔ خلوص کی تلوار رکھنے والا اکثر خود ہی زخمی ہو جاتا ہے۔ ———— آندرے موروس

تجربہ شاہد ہے کہ ضرورت کے وقت مستحکم ارادہ پوری طرح مدد کرتا ہے ———— شیکسپیئر

جو شخص کسی کا تحفہ قبول کر لیتا ہے وہ خود کو بیچ دیتا ہے ———— اطالوی کہاوت

مجھے کرنا ہے اس لئے میں کر سکتا ہوں ———— کانٹ

خون کی ندیاں بہانے کے بجائے ایک آنسو پونچھنے کی شہرت زیادہ ممتاز ہے ———— بائرن

شاعر کو چاہئے کہ قرین قیاس ناممکنات کو خلاف قیاس امکانات پر ترجیح دے ———— ارسطو

مسکراہٹ محبت کی زبان ہے ———— ہومر

ہمدردی وہ عالمگیر زبان ہے جسے جانور بھی سمجھ لیتے ہیں ———— جیمس ایلن

ہمت کامیابی کے لئے سب سے ضروری چیز ہے ———— براؤن

اگر کوئی شخص کام نہیں کرتا تو اسے کھانا بھی نہیں چاہئے ———— بائبل

جنھیں ہم کمزور اور حقیر بنائے رکھتے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ ہمیں کمزور اور حقیر بنا دیتے ہیں ———— ٹیگور

جس کام کا آغاز صحیح طور پر ہوتا ہے اس کا انجام بھی درست ہوتا ہے ———— جامیؒ

مارکسی فلسفے کے مطابق وحدتِ اضداد کا قانون کائنات کا بنیادی قانون ہے۔ یہ قانون ہر جگہ کارفرما ہوتا ہے خواہ وہ عالم فطرت ہو، انسانی معاشرہ ہو یا انسانی فکر ہو۔ کسی تضاد میں اضداد کے درمیان بیک وقت وحدت بھی ہوتی ہے اور کشمکش بھی اور یہی چیز ہے جو اشیاء کو حرکت اور تبدیلی کی طرف بڑھاتی ہے ———— ماؤزے تنگ

دوہے

جمیل الدین عالی

اس کلجگ نے دل والوں سے جو جو بوجھ اٹھوائے
ایک بھی جس پربت پر رکھدیں وہ پربت پھٹ جائے
عالیؔ اپنے دیس کی بولیں اور ٹوڈی کہلائیں
سورما لوگ بدیسی پیسے کھائیں اور اترائیں
پیسے کھانے کی ترکیبیں نقد وظیفہ سیر
اب جو کوئی جس کا کھائے مانگے اسی کی خیر
پی۔ ای۔ این کے پوجن ہارے جگ کی سیر کو جائیں
عالیؔ دیسی سبھا بنا کر اپنی ہنسی اڑائیں ،
جن کے پڑوسی بھی نہیں جانیں ہیں اُن کے شبھ نام
لندن بمبئی ہالی ووڈ میں وہ سب کویتا رام
کوئی چھٹ بھیّا پیرس پہنچے اور لیکھک بن جائے
کوئی افسر نیویارک کے پل پر کتھا کلا سکھلائے
کوئی کٹھ پُتلی سبھا بنائے کوئی افسر پر چھائے
جب یہی رونے کے دھندے ٹھہرے ایک اک چل جائے
ابھی پاؤں میں ٹوٹی جوتی ابھی کمر پر شال
یہ ہر اک بانی کے باسی ناکالے نا لال
کیا کیا جنتر منتر والے بننے لگے فن کار
مایا مہا ٹھگن ہے بھیّا اس کے روپ ہزار
لکھی لکھی کرنے والے نرمد ہی ہی کرتے بھانڈ
نرمل کنول کلا کے پیچھے یوں دوڑیں جوں سانڈ
رُت کے ساتھی سمے کے سنگی بے دھرمے بے ذات
جو جس دم ہو ان کا افسر اونچی اسی کی بات
افسر بولے یارو ہم کو بھائے نہیں اقبال
یہ بولیں جی شبد کا دھوکا دھیان کا اندر جال
افسر بولے چِتر کلا کو کیا جانے چغتائیؔ
یہ بولیں جی اس سے بڑھ کر اپنی نوراں مائی
افسر بولے اسد علی خاں کیا سمجھے سُر تال
یہ بولیں جی سُر اوتار تو ہے جُمّن قوّال
افسر بولے فیضؔ نرا جی یہ بولیں غدّار
افسر بولے قاسمیؔ انگھڑ یہ بولیں مکّار
افسر بولے کوئی عالیؔ کو چپ رہنا سکھلاؤ
یہ بولیں جی چُپ نہ رہے گا شہر بدر کر داؤ
اونچے اونچے ان کے سنگھاسن بڑے بڑے گودام
اپنی دکھی کلا نگری میں ان کا تھا کیا کام

نا انھیں دیپک راگ جلائے نا یہ میگھ پہ روئیں
نا یہ کھو کر پانا جانیں نا یہ پا کر کھوئیں
نا یہ دکھ کی شوبھا دیکھیں اور نا سکھ کے سبھاؤ
نا یہ مرہم پٹی جانیں نا کھائیں خود گھاؤ
نا یہ جیون بھید کے روگی نا انھیں ہر دم سوچ
نا انھیں دن کی سختی کھائے نا انھیں رات کا لوچ
نا ان سے کوئی بھول ہو نا یہ مفت کے رنج اٹھائیں
نا یہ بیری شما کریں اور نا یہ دوست گنوائیں
ان کے لئے تو ان کا پورا جیون ہے بیوپار
ان کے لئے تو ان کے سوا ہے خالی کل سنسار
ان کا دھندا پلّو بندھن یہ فن کے دلاّل
یہ کیا جانیں یہ کیا سمجھیں اپنے دیس کا حال
کیوں دیکھیں پنجاب کی بپتا کیوں جائیں بنگال
ہر گاؤں اک گورکھ دھندا ہر بستی جنجال
وہاں کہاں جیوتش کے دھندے جن سے بھالیں نار
وہاں تو ہے ہر ہاتھ کی ریکھا جیتے خون کی دھار
سوکھے جسم اور بھوکی روحیں مانگی جن کی لاکھ
کیا کیا ہیرے کیا کیا موتی بنتے جائیں راکھ

کتنی ہیریں کتنے رانجھے اک دوجے سے دور
کیوں کوئی سمجھے کوئی کیوں جانے کون ہے کیوں مجبور
یورپ پریم لگن میں کس کو چک جھمرے کی سوجھ
او دیسی یہ تری پہیلی تو اسے خود ہی بوجھ
آنکھیں ہر جانب اٹھتی ہیں کوئی نہیں اوتار
اب سیوک ہی بن کے رہے گا اپنا پالن ہار
دور ہی دور سے آس کی کرنیں چمک دمک دکھلائیں
جن کے گھروں میں گھور اندھیرے ان کے پاس آئیں
آج بھی کتنی کومل کلیاں کانٹوں کی خوراک
آج بھی کوئی نہیں پہچانے کیا کندن کیا خاک
آج بھی روئے کوئل بانی کوّے ماریں تان
آج بھی دیر کھُلے سینے اور بھانڈ چلائیں بان
آج بھی پربھا کالک پیسے اوشا لہو رلائے
آج بھی چھایا کتھّک ناچے مایا گیان سکھائے
سو رنگوں کے سو بادل لیں چار طرف سے گھیر
سورج تڑپ تڑپ رہ جائے دور نہ ہو اندھیر
عالیؔ تو جو چاہے کہے ظاہر ہے ترا انجام
نہ تو راون ترے بیری اور تو نا لچھمن نا رام

ٹیپو سلطان

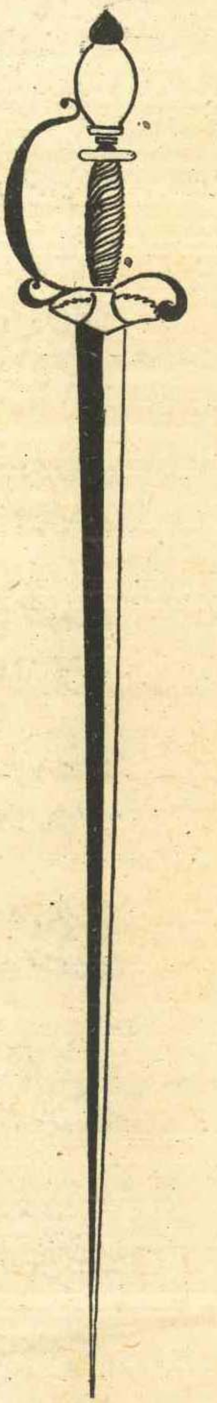

حزیں لدھیانوی

میسور کے جیالے، سرنگاپٹم کے شیر
تجھ کو ہوائے عیش و مسرت نہ تھی پسند
مسلک تیرا یہ تھا کہ سب انساں ہوں سربلند
تیری یہ آرزو تھی وطن جگمگا اُٹھے

آزادیٔ وطن ترا پہلا اصول تھا
میدانِ کارزار کا طوفاں قبول تھا
ہیرا تھا تاج کا کوئی راہوں کی دھول تھا
ظلمت کا تو حریف، سحر کا رسول تھا

ہر چند سامراج کی آندھی مہیب تھی
جنگاہ میں جو خون کی ندّی رواں ہوئی
ہر مرحلے پہ تیری شجاعت نے بارہا
انگریز، مرہٹے کبھی ہوتے نہ کامیاب

تو نے چراغ اپنے لہو سے جلا دیا
اپنے بدن کا تو نے سفینہ بہا دیا
دشمن کے لشکروں کو پیام وفا دیا
اپنوں کی سازشوں نے وطن کو گنوا دیا

اے پاسدارِ شانِ وطن، حرّیت کے شیر
سر کٹ گیا ترا تو یہ انگریز نے کہا

اے ملک کے شہید، بہادر، جری، دلیر
ہندوستاں ہمارا ہے، سلطان مر گیا

میسور کے جیالے، سرنگاپٹم کے شیر
تاریخ کے دیار میں تو نور کا منار
جب بھی سروں پہ ہوتی ہیں تیغ آزمائیاں
ٹیپو! ترے ضمیر کے انوار آج بھی

صدیوں سے ہے فزوں تری اک دن کی زندگی
دیتی ہے منزلوں کا پتہ تیری روشنی
تیرا عمل سکھاتا ہے اندازِ سرکشی
چمکیں، تو ٹوٹ جائے ہر اک سدِّ تیرگی

غزل

کسی سے شکوہ نہیں دوش میرا اپنا ہے

مدام کوئے ملامت میں پھیرا اپنا ہے

ازل سے دل ہے خریدار جنس رسوائی

جہاں وہ صبح قیامت ہو پھیرا اپنا ہے

ہزار ظلمتِ دوراں ہو گھات میں لیکن

ہمیں یقیں ہے کہ آخر سویرا اپنا ہے

کسی کو دکھ ہو کسک میرے دل میں ہوتی ہے

ہر ایک درد زمانے کا میرا اپنا ہے

عزیزو سنگ زنی ہو پر احتیاط کے ساتھ

کہ آئینہ ہے پرایا تو چہرہ اپنا ہے

اگر ہے بُرّشِ تیغِ ستم پہ ناز تجھے

حذر نہ کر یہ گلو بھی تو تیرا اپنا ہے

یہ وقت دوسرے ہاتھوں میں باگ ہے جس کی

نہ تیرا اپنا ہے فارؔغ نہ میرا اپنا ہے

فارؔغ بخاری

غزل

(ترقی پسند ذہنوں کے نام)

خود آج دست و گریباں ہیں دشمنان چمن
اٹھالو فائدہ ایسے میں عاشقان چمن

خود اپنی شان سے وابستہ کی ہے شان چمن
کہ بت بنے ہوئے بیٹھے ہیں پاسبان چمن

یہ مانتا ہوں کہ گلچیں سے تم کو شکوہ ہے
بہار کو دیا تم نے بھی کچھ نشان چمن

بنا کے امن کے پرچم کا تکیہ سوتے ہو
فضائے جنگ سے رنگیں ہے آسمان چمن

جو پڑھ سکو تو یہ بین السطور میں پڑھ لو
تمہاری چپ سے بھی زخمی ہے داستان چمن

تمہیں خبر ہے کہ تاریخ میں کبھی نہ کبھی
لکھی بھی جائے گی فہرست مجرمانِ چمن

بنانی تھی گل پامال کی کوئی تصویر
خود اپنی شکل پہ عاشق ہیں روکشان چمن

کہاں ہے لانا ذرا کوئی تازیانۂ شوق
تھکے تھکے سے ہیں نورؔی دلاوران چمن

کرار نوری

"الفتح"

س۔ ا۔ احمد

پچھلے بیس سالوں نے ثابت کیا ہے کہ سامراج یورپ میں تبدریج تنزل پذیر ہے لہٰذا وہ ایشیا میں جدید نوآبادیاتی نظام کو قوت بخشنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسرائیل کی پیدائش کی بنیاد جدید نسلی نوآبادیات ہے اور وہ سامراجیوں کیلئے ایشیا اور افریقہ میں پل کا کام دے سکتا ہے اس طرح جب جدید نوآبادیاتی نظام نے اپنے راستے پر چلنا شروع کیا تو فلسطینی عوام بھی اس کا شکار ہوئے اور انھیں اس کے آبائی وطن سے ڈھکیل کر نکالا جانے لگا اور اس طرح فلسطینیوں سے نہ صرف سیاسی حقوق بلکہ ان کا آبائی وطن میں رہنے کا حق بھی چھین لیا گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے زمانے سے ہی یہودیوں نے ارض مقدس پر یہودی قبضے کے خواب دیکھنے شروع کر دئے تھے اور یہودیوں کو یہاں بسانا شروع کر دیا تھا۔ سادہ لوح فلسطینی یہ سمجھتے رہے کہ یہ یہودی پناہ گزیں ہیں یا وہ زائرین جو مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں ـــ یہودیوں کو اپنے پروگرام میں بہت کم کامیابی ہوئی۔ اس کی

۱- جن یہودیوں نے ان کا ساتھ دیا وہ ساری دنیا کی یہودی آبادی میں صرف ایک فیصد تھے۔

۲- یہودیوں کو ارض مقدس میں بسانے کا پروگرام بہت سست رہا تقریباً بتیس سال کے بعد بھی یہاں کے رہنے والے یہودی اور ہجرت کرکے آنیوالے یہودی دونوں ملاکر بھی فلسطین کی کل آبادی کا صرف ۸ فیصدی سے بھی کم ہوئے اس طرح ان کے پاس ارض فلسطین کا زیادہ سے زیادہ ۲½ فیصد رقبہ رہا۔

اس کے بعد پہلی جنگ عظیم نے یہودی پروگرام کیلئے جو جدید نسلی نوآبادیات پر مبنی تھا راہ ہموار کر دی اور ۱۹۱۷ء میں برطانوی سامراجیوں اور یہودی صیہونیت کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا۔ اور پھر فلسطینیوں کو ان کے آبائی وطن سے بیدخل کیا جانے لگا تاکہ یہودی وہاں بسائے جاسکیں۔ اور اس طرح ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہو گیا۔ اور برطانوی اور امریکی سامراج نے مل کر اسے اپنے ایک مضبوط اڈے کی حیثیت سے تقویت پہنچانی شروع کر دی۔

۱۹۴۸ء سے لیکر ابتک مشرق اوسط میں ۱۸،۵۰،۰۰۰ فلسطینی بے گھر ہو گئے ہیں یا انھیں ملک چھوڑ دینا پڑا ہے اور وہ دربدر بھٹک رہے ہیں

ابتک اقوام متحدہ ۷۰ قراردادیں اسرائیل کی مذمت میں پاس کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں تقریریں ہوئیں۔ ان تمام سیاسی کوششوں اور قراردادوں کا نتیجہ صفر ہے اسرائیلی بدستور عرب عوام پر ظلم توڑ رہے ہیں جبری انخلا کے نتیجے میں تقریباً ۵،۰۰،۰۰۰ فلسطینی دنیا کے مختلف حصوں میں متاثر ہوئے ہیں اور مشرق اوسط میں ۵ جون سے پہلے تقریباً ۱،۰۰،۰۰۰ افراد اردن کی سرزمین میں داخل ہوئے جس میں ۶۰،۰۰۰ افراد بالکل تباہ حال ہیں ۴۰،۰۰۰ غزہ میں ۳۰،۰۰۰ لبنان میں ۱۰،۰۰۰ مصر میں۔ ۱۰،۰۰۰ عراق میں نقل وطن کرکے آنے پر مجبور کر دئے گئے ان اعداد و شمار کی روشنی میں جو کہ جون ۱۹۶۷ء کے وسط ماہ کے ہیں اور اضافہ ہوا جبکہ ۳،۵۰،۰۰۰ فلسطینیوں کو بے گھر اور تباہ حال کر دیا گیا جبکہ اسرائیل نے عرب ممالک کے اہم علاقے ہتھیا لئے (جس میں مصر، اردن اور شام کے علاقے شامل ہیں) جو ان کی معیشت میں اہمیت رکھتے تھے۔ اس موقع پر کیوبا کے ایک صحافی نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا جب وہ اردن پہنچا تو اس نے وہاں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

> "مغرور اور ظالم اسرائیلی سپاہی ایلن بائی برج کے وسط میں کھڑے تھے اُن کی آنکھوں میں نفرت اور چہروں پر غصے کی سیاہ لکیریں تھیں اور وہ ان مظلوم عربوں کو جانوروں کی طرح اردن کی سرحد میں دھکیل رہے تھے جن کی کل کائنات ان کے سروں پر دھری تھی اور جن کے چہروں سے پریشانی اور لباس سے خستہ حالی ٹپک رہی تھی۔"

کیوبا کے صحافی نے ایک اور جگہ اپنی چشم دید رپورٹ میں لکھا:-

> "مصر، شام۔ عراق اور اردن کے ریگستانوں میں بکھرے ہوئے فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپ۔ ایک دلدوز منظر پیش کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو کل تک اپنی آبائی زمین پر ہزاروں سال سے رہتے آئے تھے۔ آج انھیں صحراؤں میں پھینک دیا گیا ہے وہ صیہونی ظلم و بربریت کے شاہکار ہیں۔ انھیں دیکھ کر دنیا کا کوئی آدمی صیہونی تحریک سے ہمدردی نہیں کر سکتا۔"

مقبوضہ فلسطین میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو ۱۹۴۸ء میں یا اس سے

پہلے پیدا ہوئے گویا وہاں ایک پوری نسل غلامی کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہے اس کا بچپن صیہونی غنڈوں کی سنگینوں تلے گزرا ہے اور وہ مقبوضہ فلسطین میں ہونے والے مظالم سے ہوش سنبھالنے کے وقت سے ہی واقف ہیں۔ ان نوجوانوں میں ان مظالم کے خلاف بڑا جوش ہے جو یہودیوں نے مسلم عرب آبادی پر روا رکھے ہیں ۔ اس کے علاوہ فلسطین کے مہاجرین کی حالت زار نے بہت سے عرب ممالک میں بڑا شدید ردعمل پیدا کر دیا تھا ۔ بہرحال یہ وہ حالات تھے جب فلسطین کی قومی تنظیم آزادی " الفتح " قائم ہوئی اور اس کے جنگی بازو العاصفہ نے اپنی کارروائی ۱۹۶۵ء میں شروع کی

الفتح کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں

- اسرائیل کے معاشی ۔ فوجی ۔ سیاسی ۔ سماجی ڈھانچے کو منتشر کرنا اور ساتھ ہی ساتھ فلسطین کے مظلوم اور بے سہارا عوام پر اسرائیل کے مظالم اور سفاکیوں سے تمام دنیا کو آگاہ کرنا۔
- فلسطین کے مظلوم عوام کو ان کے مسائل کی بنیاد پر مذہبی، قومی اور بین الاقوامی جدوجہد پر ابھارنا ان کا شعور بلند کرنا اور انھیں بیدار کرنا۔
- عوامی انقلابی جدوجہد کے لئے انقلابی تنظیم کا ڈھانچہ قائم کرنا جس میں گوریلا فوجیوں کی تنظیم اور سیاسی محاذ شامل ہے ۔

فلسطینی عوام کی انقلابی جدوجہد ان باتوں پر مشتمل ہے کہ اسرائیل ایک حملہ آور ملک ہے جس نے عربوں کے حقوق غاصبانہ طور پر ہڑپ کر رکھے

جذبۂ حریت سے سرشار ایک فدائی دوشیزہ غلامی کی زنجیریں پگھلانے کے لئے بڑھ رہی ہے

ہیں ۔ وہ سامراج کا اڈہ ہے اور سامراجی پٹھو ہے۔

الفتح کا منشور :-

برادرانِ عرب!

جن استوار فکری و عملی بنیادوں پر اسرائیل کے خلاف جنوری میں ہمارے عرب عوام، تحریک الفتح کی قیادت میں اُٹھ کھڑے ہوئے ا بغاوت کے لئے کمر ہمت باندھلی، وہ حسب ذیل ہیں :-

① خالص اور آزاد فلسطینی ارادہ و عمل کی روشنی میں کام کرنا ہر طرح کی بیرونی رہنمائی، خیمہ برادری اور جھکاؤ کو ماننے سے انکار کر دینا

② کسی بھی ریاست کی داخلی سیاست سے تعرض نہ کرنا۔ بش فدائیان عرب کی مجاہدانہ کوششوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

③ فلسطین کی آزادی کو وطنی جہاد قرار دینا اور یہ سمجھنا کہ اس ک تمام تر قوتوں اور گروہوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا ضروری ہے اور اس با پر یقین رکھنا کہ اس مسئلہ کا واحد حل فلسطین میں مہاجرین کا دوبارہ ہونا ہے۔

④ مسلح اور فداکارانہ جدوجہد کو تمام گروہوں میں پھیلانا او فروغ دینا اور فلسطین میں اس کے گوریلا دستوں کو کامیاب بنانا۔

⑤ فلسطین اور تمام عرب عوام میں مسلح جدوجہد اور بغاوت کے اسرائیل کے خلاف انقلاب رونما کرنا۔ اس لئے کہ ہماری یہ تحریک اگ ایک پہلو سے صرف فلسطین سے تعلق رکھتی ہے تاہم اپنی گہرائی او نتائج کے اعتبار سے ہر لحاظ سے ایک قومی تحریک ہے۔

⑥ فلسطین کی تحریکِ آزادی کو دوسرے تمام معاملوں کے بار میں سرفہرست سمجھنا۔

⑦ تمام عالم عربی میں مثبت اور ایجابی قوتوں سے کام لینا تاکہ فل کی اس مسلح تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

⑧ باقاعدہ جنگ کی حکمت عملی کو اپنانے سے اس بنا پر گریز ک کہ سر دست استعماری قوتوں نے صیہونیت کے وجود کو ہمار ملک میں قائم کر رکھا ہے اور اس کی حمایت و تائید پر آمادہ ہیں۔ باقا جنگ اس لئے بھی ہمارے لئے بے کار ہے کہ ہمارے ہاں عالم عرب م خاصے تضادات ابھر آئے ہیں جن کی وجہ سے ہمیں ناکامی کا سامنا ک پڑتا ہے اور دشمن کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے منفی اور توسیع پسندا عزائم میں کامیاب ہو۔

⑨ فداکارانہ اور مسلح تحریک الفتح کو کامیابی و کامرانی کا وا اور قطعی ذریعہ سمجھنا اور اس بات پر یقین رکھنا کہ طویل جدوجہد کے بع بالآخر ہم اس اسلوبِ جہاد سے عربوں کو دوبارہ فلسطین بسانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

⑩ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو یہودی نے ہمارے لئے پیدا کر دی ہے۔ اس بات پر یقین رکھنا کہ انھیں پور عالم عرب کا امن مطلوب ہے۔ وہ مقامی امن نہیں جس نے ہمیں نق نقصان کے جزوی چکر میں ڈال رکھا ہے۔

⑪ ان تمام تدابیر کو اختیار کر کے سامراج کے دستِ تظلم سے نجات کرنا چاہیے، وہ کسی شکل میں ہو اور صیہونی اثر و نفوذ کو ختم کرنا

" اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد کی شعلہ فشانیاں
ہی نئے عربی انسان کو جنم دیں گی ..... "

الفتح اقوام متحدہ کے ان تمام مصالحتی فارمولوں کو رد کرتی ہے جن میں سلامتی کو

کی قرارداد نومبر۔ شرق اوسط میں امن کے روسی منصوبے اور چار بڑی طاقتوں کی کارروائیاں بھی شامل ہیں۔

الفتح کی سامراج دشمن جدوجہد کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ محکوم دنیا میں بسنے والے باشعور عوام کی مسلح جدوجہد کو تقویت پہنچے اور ساری دنیا میں سامراج کے خلاف جو جدوجہد جاری ہے اس میں وہ اپنا عوام دوست اور سامراج دشمن کردار ادا کر سکے۔

العاصفہ جو کہ الفتح کا جنگی بازو ہے اب تک مقبوضہ فلسطین میں دو ہزار سے زائد کامیاب حملے کر چکا ہے پہلے ۱۵ سو حملوں میں (جس کی اطلاع ۲۵۰ فوجی علامیوں میں شائع ہو چکی ہے) ۲۶۵۰ اسرائیلی حملہ آوروں کو ہلاک اور زخمی کیا جا چکا ہے۔ اور ۴۴ آفیسر اس کے علاوہ ہیں جبکہ الفتح کے صرف ۳۵۰ حریت پسند شہید ہوئے ہیں۔

دشمن کی ۶۸۵ فوجی گاڑیاں اور ۷۰ فوجی رسل و رسائل کی گاڑیاں تباہ کی جا چکی ہیں۔

اس کے علاوہ العاصفہ نے ۴۰ تیل کی تنصیبات ۴۰ گولہ بارود کے ذخیرے ۴۷ دشمن کی چوکیاں۔ ۲۳ پاور تنصیبات۔ ۲۱ فیکٹریاں، ۶۰ جنگی ہوائی جہاز۔ ۵۹ پانی کے ذخیرے اور ۴ فوجی ریل گاڑیوں کو اڑا دیا۔

العاصفہ کے حریت پسندوں نے دشمن کی ۱۸ بریگیڈ فوج کو الجھا رکھا ہے اور اس طرح عرب ملکوں کیلئے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی فوجوں کو جون کی شکست کے بعد دوبارہ منظم کر سکیں۔

اسرائیل کو روزانہ ۱۰۵ ملین ڈالر خرچ کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ العاصفہ روزانہ اس کی فوجی تنصیبات اور معاشی مرکزوں کو نشانہ بنا رہا ہے۔

العاصفہ کی جنگی کارروائیوں کی وجہ سے ہر اسرائیلی باشندے کو ۴۵۰ اسرائیلی پاؤنڈ (تقریبًا ۱۴۵۔ اسٹرلنگ) سالانہ ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

العاصفہ کی انقلابی جدوجہد نے یہودیوں کے فلسطین میں داخلے کو روک دیا ہے اور اس طرح اسرائیل کے ناپاک منصوبے کو ناکام بنا دیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ ان کارروائیوں کی وجہ سے صرف ۱۹۶۷ء میں ۲۵۰۰۰ یہودی فلسطین چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اپنی تمام تر کوششوں، جنگی حربوں اور جدید الیکٹرونک آلات کے بڑے پیمانے پر استعمال کے باوجود اسرائیل مقبوضہ فلسطین میں حریت پسندوں کی کارروائیاں روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ الفتح کا جنگی بازو العاصفہ کسی مخصوص عقیدے کے خلاف جدوجہد نہیں کر رہا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ تمام یہودیوں کو سمندر میں ڈھکیل دیا جائے بلکہ اس کی اصل جدوجہد نسلی نوآبادیاتی ۱۰-۶ ایٹم رکھنے والی ریاست اسرائیل سے ہے جس نے فلسطینی عوام پر ظلم و جور روا رکھا ہے۔

الفتح کا فوری مقصد ایک آزاد جمہوری حکومت کا قیام ہے جس کے تحت ہر عقیدے اور مذہب کے ماننے والے کو جمہوری حقوق حاصل ہوں گے خواہ وہ مسلمان ہو۔ عیسائی ہو یا یہودی۔ فلسطینی عوام کی آزاد جمہوری حکومت کی بنیاد نسل پرستی۔ علاقہ پرستی یا استحصال پر نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے تحت ہر شخص کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک آزاد جمہوری حکومت کا خاصہ ہوتے ہیں۔

اشکول وزیر اعظم اسرائیل نے اکتوبر ۱۹۶۷ء میں کہا تھا۔

"الفتح کی ۹۵٪ قوت ختم ہو چکی ہے اور آئندہ چند روز میں اسکا بالکل صفایا کر دیا جائے گا۔"

الفتح کا تو کیا صفایا ہوتا خود اشکول صاحب کا الفتح کے ہاتھوں صفایا ہو گیا۔ آج الفتح کی اٹھائی ہوئی آواز سارے عرب اور عالم اسلام کی آواز بن چکی ہے۔ عرب ملکوں میں بسنے والے باشعور عوام اپنے مظاہروں اور ہڑتالوں سے حریت پسندوں کا دل بڑھاتے ہیں اور یہ نعرے گلی کوچوں میں گونجتے ہیں۔

"فلسطینی مجاہدو —— ہم تمہارے ہیں"

"فلسطینی مجاہدوں کی جدوجہد۔ ہماری جدوجہد ہے"

ایک طرف جہاں عوامی جدوجہد اتنا آگے بڑھ چکی ہے وہاں عوام دشمن قوتیں بھی اپنا کام کر رہی ہیں۔

مثلاً وہاں U.N.R.W.A. جو کہ اقوام متحدہ کا فلسطینیوں کے لئے امدادی ادارہ ہے کام کر رہا ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سارے مہاجروں کی

آٹھ سالہ "اشبال" (بچۂ شیر) صیہونی درندوں کا سر کچلنے کی تربیت حاصل کر رہا ہے

دیکھ بھال کر رہا ہے لیکن یہ غلط ہے وہ چند کی "معاونت" تو ضرور کرتا ہے لیکن سارے مہاجروں کی دیکھ بھال نہیں کرتا۔ اس ادارے کا مقصد رائے عامہ کو بیوقوف بنانے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور یہ صرف پروپیگنڈے کا ذریعہ ہے۔ تاکہ دنیا کو یہ بتایا جا سکے کہ اقوام متحدہ کے دل میں فلسطین کے لوگوں کے لئے بڑی "ہمدردی" ہے۔ حالانکہ فلسطینی جانتے ہیں کہ اقوام متحدہ وہ ادارہ ہے جہاں انصاف کے نام پر جرم ہوتے ہیں۔ اور جس کا سرپرست اعلیٰ امریکہ ہے جو اسرائیل کا بھی سرپرست اعلیٰ ہے۔

اس کے علاوہ وہاں ایسی تنظیمیں بھی ہیں جو عوامی نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ان میں ایک High Organization of Arab Phatestine National Libaration Vanguard ہے۔ یہ رجعت پسندی کی نمائندہ ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ اسرائیل جو آتنا بڑھ چڑھ کر عرب دشمن مسلمان دشمن۔ اور عوام دشمن کردار ادا کر رہا ہے اور جو ان تمام قوتوں کا دشمن ہے جو عوام دوست ہیں یا عوام کی حکومت قائم کرنا چاہتی ہیں ایسے دشمن کے خلاف لڑنے کے لئے جدید حکمت عملی کو اپنانا ضروری ہے لیکن یہ گروہ جو عرب عوام اور فلسطینی عوام میں ننگے ہو چکے ہیں اُن زنگ آلود اور سامراج دوست ہتھیاروں کو آزما رہے ہیں جو متروک ہو چکے ہیں دنیا آگے کی طرف بڑھ رہی ہے اور یہ اُسے پیچھے کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے!

اس کے برخلاف الفتح عوام کی نمائندہ تنظیم کی حیثیت سے بڑی تیزی سے ابھر آئی ہے۔ اس نے حال ہی میں اپنے ایک سیاسی اعلان میں حالیہ واقعات کا جو تجزیہ کیا ہے۔ اس نے عوام کو بہت متاثر کیا ہے۔

اس نے کہا:

> چار بڑی طاقتیں مشرق وسطیٰ میں جس انداز کی کاروائیاں کر رہی ہیں وہ ہم خوب جانتے ہیں۔ ان طاقتوں میں روس۔ امریکہ اور برطانیہ شامل ہیں۔ اُن کا ماضی اور دنیا کی سیاست میں ان کا کردار دیکھتے ہوئے اُن سے کسی بھلائی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی آخر یہ طاقتیں تنہا یا سب مل کر کیا کرنا چاہتی ہیں؟ وہ کیا کر سکتی ہیں اور کس کے لئے کر سکتی ہیں؟ جیسا کہ وہ اپنے آپ کو امن و آشتی کا دیوتا بنا کر پیش کر رہی ہیں اور دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہی ہیں کہ وہ "پائدار امن" چاہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اُن کے علاقے میں کشیدگی کو کم کرنا ہے۔ تاکہ "صورتحال" بگڑنے نہ پائے۔ ورنہ اُن کے خیال کے مطابق ایک اور عالمگیر جنگ کے شعلے مشرق وسطیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔!

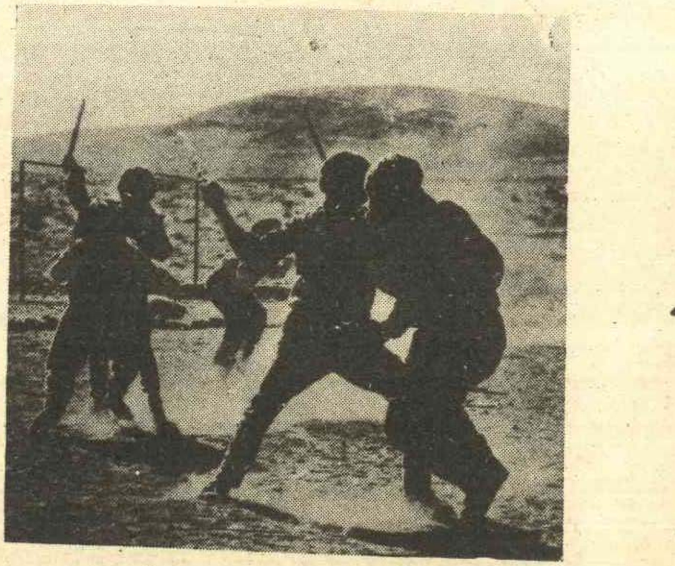

"سنانیں کھینچ لی ہیں سر پھرے باغی جوانوں نے"
گوریلا جنگ کی تربیت کا ایک مرحلہ

فلسطینی جمہوری محاذ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان چار بڑی طاقتوں کے خطرناک کھیل میں اس کی پوزیشن کیا ہے؟ جبکہ وہ فلسطینی عرب باشندوں کا نمائندہ ہے اور جو ان باشندوں کے حقوق بحال کرانے انھیں آزادی اور جمہوریت دلانے کیلئے جنگ کر رہا ہے! وہ اس نام نہاد "منصوبہ امن" کو جو چار بڑی طاقتوں کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے کلی طور پر رد کرتا ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ امن قائم کیا جائے یا کوئی عارضی معاہدہ کر لیا جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ عرب سرزمین سے غاصب اسرائیلی حکومت کا وجود ختم کیا جائے۔ جو سامراجی اڈا ہے۔ اور فلسطینی اور عرب عوام کو اپنی مرضی سے آزاد جمہوری معاشرہ قائم کرنے کا حق حاصل ہو جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ امن و چین سے رہ سکیں یہی وہ واحد حل ہے جو تمام مسائل کا حل ہے جو فلسطینی عوام کی خواہشات کا نمائندہ ہے اس کے علاوہ یہ کسی دوسری تجویز اور حل کو مسترد کرتے ہیں۔

فلسطین کے رہنے والے عرب باشندے جو صدیوں سے یہاں آباد ہیں اور فلسطین جن کا آبائی وطن ہے صرف انھیں ہی اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ ان کے وطن کا مستقبل کیا ہو گا؟

اسرائیل اور اُس کے سامراجی آقا مشرق وسطیٰ میں جو سیاسی کھیل

کھیل رہے ہیں اس میں انھیں عبرتناک شکست ہوگی !

حالیہ "چھ نکاتی منصوبۂ امن" اور دیگر پرامن تصفیوں کی کوششوں پر سارے عرب عوام نے غم و غصّہ کا مظاہرہ کیا ہے۔

شامی اخبارات اور ریڈیو نے بھی اپنی نشریات میں اس کی پرزور مذمت کی اور کہا "چار بڑی طاقتوں کی کانفرنس فراڈ ہے اور اس کا مقصد روسی اور امریکی تسلط کو عرب ممالک پر مسلط کرنا ہے۔"

عراقی اخبارات نے لکھا "وہ دن گزر چکے جب چار بڑی طاقتیں عرب اور فلسطینی باشندوں پر اپنی رائے ٹھونس سکتی تھیں۔ اب نہ کوئی عرب ملک ہی ایسا کر سکتا ہے اور نہ سلامتی کونسل ہی کوئی ایسا حل منوا سکتی ہے جو عرب اور فلسطینی عوام کی خواہشات کے خلاف ہو ! اب عرب اور فلسطین کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام کریں گے۔"

سامراجیوں کا یہ اصول ہے کہ وہ غلطی کرتے ہیں شکست کھاتے ہیں پھر دوسری جگہ وہی غلطی کرتے ہیں اور پھر شکست کھاتے ہیں اور عوامی قوتوں کا اصول ہے کہ وہ اپنی ناکامی کو کامیابی کا پہلا زینہ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی غلطیوں کو دہراتے نہیں حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سامراجی جب عوامی قوتوں کے آگے اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں تو امن — امن چلّانے لگتے ہیں تاکہ اپنی شکست کو عارضی طور پر ٹال سکیں۔ وہ ویتنام، کشمیر اور مشرق میں یہی کر رہے ہیں لیکن عوامی قوتوں کا اصول ان سے مختلف ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ نام نہاد امن اور شانتی کا خوشنما جال سامراجی کس وقت عوامی طاقتوں کے سامنے پھینکتے ہیں وہ اس جال میں کبھی نہیں آئیں گی۔ اسی لئے تو الفتح کا نعرہ ہے "جدوجہد عوام کی فتحیابی تک !

الفتح کے تربیتی اڈے اب بہت سے عرب ملکوں میں قائم ہو گئے ہیں جہاں ہزاروں فلسطینی اور عرب نوجوان سیاسی اور فوجی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں "طاقت" کا سرچشمہ۔ عوام ہیں" اور اس طرح عوام کی تمام تر ہمدردیاں اور طاقتیں ان کے ساتھ ہیں فلسطینی مزدور۔ طلبا، کسان اور نوجوان بڑی تیزی سے جوق در جوق "الفتح" میں شامل ہو رہے ہیں تاکہ جلد سے جلد اپنے وطن کو یہودی غاصبوں کے چنگل سے چھڑا سکیں۔

ایک معمر فلسطینی خاتون نے اپنے دو بڑے لڑکوں کے یہودی حملہ آوروں کے ہاتھوں شہید ہو جانے کے بعد اپنا تیسرا چھوٹا اور نوعمر لڑکا تنظیم

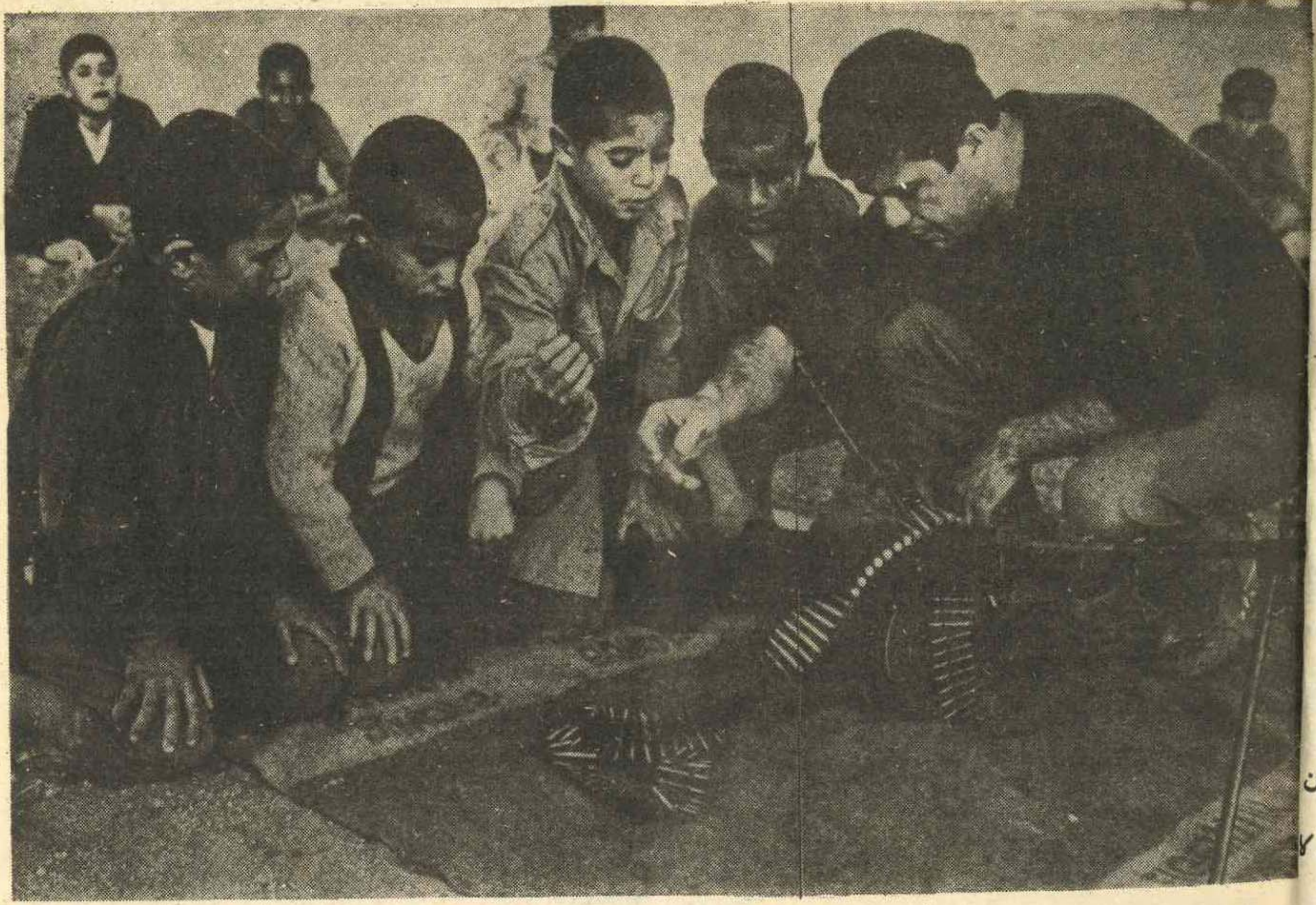

الفتح کے کمسن۔ لیکن جواں ہمت مجاہدین مشین گن چلانے کی تربیت حاصل کر رہے ہیں

آزادیٔ فلسطین کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا۔

"جاؤ۔ ظالموں کو اُن کے کرتوت کا مزا چکھاؤ — !
اور مادر وطن کو آزاد کراؤ —"

ایک اور عرب خاتون کا شوہر جب اسرائیلی حملہ آوروں کے ہاتھوں شہید ہوگیا تو اس نے اپنے پانچوں بیٹے یکے بعد دیگرے مادر وطن پر قربان کر دئے۔ اور آخر میں خود اس تحریک میں شامل ہوگئی۔ وہ ابتک نہایت بہادری اور جوانمردی سے غازیانہ کردار ادا کر رہی ہے اور کئی یہودیوں کو کیفر کردار تک پہنچا چکی ہے۔

اس کے علاوہ مقبوضہ علاقوں کے باشندے حریت پسندوں کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ انھیں صحیح صحیح اطلاعات پہنچاتے ہیں انھیں پناہ دیتے ہیں ان کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں۔

ایک چھاپہ مار نے اپنا ایک واقعہ سنایا "کہ وہ اسرائیلی سپاہیوں سے بچ کر ایک بوڑھی عورت کے گھر میں جا کر چھپ گیا۔ جب اسرائیلی سپاہی اُسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچے تو بوڑھی عورت نے اپنے بچے کو ان کے آگے کر دیا کہ یہ لو — یہ رہا چھاپہ مار — ! اسرائیلی سپاہی اُسے پکڑ کر لے گئے۔ اس نے کہا" میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے پوچھا۔ تم نے اپنے بیٹے کو کیوں ان کے حوالے کر دیا؟ بوڑھی عورت نے کہا "اس لئے کہ وہ چھاپہ مار نہیں تھا! تم ہماری آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے ہو۔ تمہاری جان اس لڑکے سے زیادہ قیمتی ہے۔؟"

ایک اور چھاپہ مار نے مقبوضہ علاقے میں پائے جانیوالے خلوص و ایثار کا ذکر کرتے ہوئے کہا "ہماری حفاظت اور آڑ کیلئے یہاں کوئی گھنے جنگل یا جھاڑیاں نہیں ہیں۔ ہماری آڑ اور پناہ گاہیں یہاں کے عوام ہیں جن کے مجمع میں ہم اس طرح گم ہو جاتے ہیں کہ کوئی ہمیں تلاش نہیں کر سکتا۔"

"الفتح" کے جانباز حریت پسندوں سے نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا واقف ہو چکی ہے اور پچھلے چند سالوں ہی میں انہوں نے جو کارنامے انجام دئے ہیں اس نے ان کا نام روشن کر دیا ہے وہ فتح کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں انکی فتح یقینی ہے۔ اس لئے بھی کہ تمام دنیا کے حریت پسند اور حق نواز عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ الفتح کے حریت پسندوں کی جنگ اصولوں کی جنگ ہے باطل کے مقابلے میں وہ حق کے نمائندے ہیں ان کی جنگ ان تمام قوتوں کے خلاف ہے جو عوام کا استحصال کرتی ہیں اور اس طرح وہ ظالم و مظلوم کی اس جنگ میں مظلوم کے نمائندے بھی ہیں آج ویت نام اور کشمیر میں مشرق بعید میں۔ لاطینی امریکہ میں۔ غرض دنیا کے ہر خطے میں لڑی جانے والی یہ جنگ سامراج کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگی مشرق اوسط میں اس جنگ کا ہراول دستہ العاصفہ ہے اور اس طرح عوام کی تاریخ میں الفتح کے حریت پسند اپنا نام اونچا کر چکے ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب فلسطینی اور عرب عوام کا بچہ بچہ "الفتح" کے "عوامی مسلح جدوجہد" کے راستے پر چلنے میں فخر محسوس کرے گا۔ اور وہ دن مشرق اوسط میں سامراج کا آخری دن ہوگا — !

Fidahussain Mohamedali Lotia

General Hardware & Tools Merchants, Dealing in all kinds of Hand, Electric and High Precision Tools, All kinds of Steels, Metals and other allied items.

(On Approved List of Government Suppliers)

SERAI ROAD, KARACHI-2.

Phone : 232761

خواجہ احمد عباس

دل ہی تو ہے

آپریشن تھیٹر کی سفید دیواروں میں تین افراد قید تھے۔

ایک آدمی تھا۔

ایک جج تھا۔

ایک ڈاکٹر تھا۔

ایک آدمی تھا۔ بے سکت، بے ہوش، تقریباً بے جان۔ آدمی آپریشن ٹیبل پر پڑا تھا۔ اس کے دل میں ایک سوراخ تھا۔ اس سوراخ میں پستول کی ایک گولی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے دل کی حرکت ہمیشہ کیلئے بند ہونیوالی تھی۔

جج نے کہا۔ اور اس کی دھیمی آواز بھی اس آپریشن تھیٹر میں ایسے گونجی جیسے وہ عدالت میں فیصلہ سنا رہا ہو۔ "ڈاکٹر اس آدمی کی جان بچانا بہت ضروری ہے۔ یہ مرنے نہ پائے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "جج صاحب۔ میں خدا نہیں ہوں لیکن بخدا ہم اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

جج نے کہا "تمہیں ناممکن کو ممکن بنانا ہے"۔

ڈاکٹر نے کہا "تب تو ایک ہی صورت ہے اسے بچانے کی۔ لیکن پ جانتے ہیں وہ آپریشن کتنا خطرناک ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ قانون کی خاطر، انصاف کی اطر، تم وہ خطرناک آپریشن کر ڈالو۔"

"اگر ہم کامیاب ہو گئے تو۔۔۔" ڈاکٹر نے کہا "یہ سائنس کی بہت اندار فتح ہوگی۔"

"سائنس کی ہی نہیں" جج نے جواب دیا۔ "یہ قانون کی بہت بڑی جیت ہوگی۔ تب ہی تو اس بیچارے کی سلامتی میں مجھے اتنی دلچسپی ہے۔"

بے ہوش تو وہ پہلے بھی تھا پھر بھی بے ہوشی کی گیس سنگھائی گئی تو دمی کا سوتا ہوا لاشعور زندگی اور موت کے درمیان جھولا جھولنے لگا۔ وہ ندہ تھا لیکن اس کے بدن میں زندگی نہیں تھی۔ وہ مر چکا تھا مگر مکمل ورے نہیں۔ ذرا سی کسر باقی تھی۔

بے ہوشی کی گیس سنگھائی جا رہی تھی۔ رگوں میں سوئی لگا کر خون چڑھایا جا رہا تھا۔ ایک دوسری سوئی کے ذریعے گلوکوز دیا جا رہا تھا تاکہ آپریشن کے دوران اس کے دل کی حرکت جواب نہ دے جائے۔ ڈاکٹر کی تمام جان، تمام طاقت، تمام قابلیت اب اس کی انگلیوں میں آ گئی تھی جو نشتر لے کر، آدمی کی پسلیوں کے پنجرے کو توڑ کر، اس کے سینے کی کھال چیرتی ہوئی اب دل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جس کی حرکت اب اتنی سُست ہو گئی تھی کہ لگتا تھا اس میں اب جان ہی نہیں ہے۔ بیہوشی کے بادلوں میں سے آدمی کا لاشعور دو آوازیں سن سکتا تھا۔ کہیں دور کتے بھونک رہے تھے اور ایک آواز تحکمانہ لہجے میں کہی جا رہی تھی۔

"۔۔۔۔ پھانسی دی جائے یہاں تک کہ اس کا دم نکل جائے اور یہ مر جائے۔"

"۔۔۔۔ پھانسی دی جائے۔ پھانسی دی جائے۔۔۔"

"۔۔۔۔ یہانتک کہ اس کا دم نکل جائے۔ دم نکل جائے۔"

سزائے موت کا فیصلہ سناتے ہوئے جج کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔ کوئی جذباتی لغزش نہیں تھی۔ ۔۔۔۔ پھانسی دی جائے یہانتک کہ اس کا دم نکل جائے اور یہ مر جائے۔۔۔"

آدمی کو اپنے گلے کے گرد پھانسی کی رسی تنگ ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تو بے خیالی سے اس نے قمیض کے کالر کو کھول لیا۔ اس کی نگاہیں جج کے چہرے پر ہمدردی یا افسوس کے آثار تلاش کر رہی تھیں (آخر وہ ایک انسانی زندگی کو ختم کئے جانے کا حکم دے رہا تھا۔ صرف قلم کی ایک جنبش سے! مگر وہاں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ جج کے چہرے پر مسکراہٹ تو نہیں تھی مگر کوئی غم، کوئی افسوس، کوئی فکر بھی نہیں تھی" اگر چہرے پہ کوئی جذبہ تھا تو وہ اطمینان اور فراغت کا تھا کہ ہفتوں کی قانونی رسہ کشی کے بعد جو استغاثہ اور صفائی کے وکیلوں اور اُن کے گواہوں کے درمیان ہوئی تھی، آخر کار یہ مقدمہ بھی اپنے انجام تک پہنچ گیا تھا۔ ایک مصوّر کو اپنا شاہکار مکمل کرنے کے

بعد شاید ایسا ہی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ آدمی کو دفعتاً محسوس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈے آ رہے ہیں لیکن اپنی قوت ارادی سے وہ ان کو پی گیا۔ نہیں (اس نے سوچا) میں اس جج کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار ہرگز نہیں کروں گا۔ کاش اس جج کی آواز کے اتار چڑھاؤ میں، اس کی نگاہ میں، اس کے انداز میں، ذرا سا بھی رحم، تھوڑی سی بھی ہمدردی ہوتی ایک انسان کے لئے، اس کی اُن مجبوریوں کے لئے جو کبھی کبھی اس کے ہاتھوں سے قتل کراتی ہیں! پھر وہ اس کو سزائے موت کا حکم بھی سناتا تو آدمی کو کوئی شکایت نہ ہوتی۔ وہ سمجھ جاتا کہ جج بھی مجبور ہے، انصاف کے ہاتھوں، قانون کے ہاتھوں، تعزیرات ہند کے ہاتھوں۔ پھر وہ اپنے آنسوؤں کو بہنے دیتا۔ چاہے دیکھنے والے اُسے کتنا ہی بزدل سمجھتے مگر ان آنسوؤں میں اس کے دل میں جو زہر بھرا ہوا تھا وہ باہر نکل جاتا۔ اس کی روح پاک اور صاف ہو جاتی اور پھر وہ اسے پھانسی بھی دیدیتے۔ تو اس کو کوئی شکایت نہ ہوتی۔ پھر وہ خوشی سے موت کو گلے لگا لیتا۔

اس وقت ایک ہی خواہش، ایک ہی آرزو، ایک ہی خیال، ایک سُلگتا ہوا سوالیہ نشان بنکر آدمی کے دل اور دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کیا وہ جج انسان نہیں ہے؟ کیا وہ صرف قانون کی ایک مشین ہے۔ جس میں انسانی ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں ہے؟ آدمی کو سزائے موت دینا اس کا قانونی فرض تھا مگر کیا رحم اور ہمدردی کا ایک اشارہ اس کا انسانی فرض نہیں تھا؟ اُس کے قلم کی جنبش نے ایک آدمی کی زندگی کو ختم کرنے کا حکم سُنا دیا تھا اور اس کی آواز میں، اس کی آنکھوں میں، ذرا سے افسوس کی جھلک نہیں آئی تھی

آدمی نے بھی دو انسانوں کو سزائے موت دی تھی...... دو انسان جن سے وہ دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ ایک اس کی بیوی تھی اور دوسرا اس کا دوست تھا۔ عدالت کی زبان میں وہ ڈبل خون تھا۔ مگر جب اس نے اپنے دوست پر اپنی فوجی سنگین سے وار کیا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس کے من کے اندھیرے میں بیٹھا ہوا کوئی شیطان اسے قتل پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ اس کی بیوی کا عاشق تھا۔ مگر وہ اس کا دوست تھا اور سو وہ اسے تکلیف پہنچا کر مارنا نہیں چاہتا تھا۔ پیچھے سے آکر اُس نے چپکے سے وار کیا تھا کمر کی تیسری پسلی کے نیچے جہاں دل ہوتا ہے وہاں سنگین کا بس ایک وار — اور اس کا دوست وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔ بغیر یہ جانتے ہوئے کہ اس کی دفعتاً موت کا ذمہ دار کون ہے؟ سنگین سے دشمن پر کہاں اور کیسے وار کرنا چاہئے یہ اس کو فوج میں سکھایا گیا تھا۔ اس نے دس کو۔ اپنے جیسے دس آدمیوں کو — اسی طرح وار کر کے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جس کا ثبوت وہ میڈل تھا جو اس کو انعام میں ملا تھا۔ اس کا دوست گیارہواں تھا۔ وہ دس دشمن تھے۔ یہ دوست تھا۔ مگر سنگین دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کرتی۔ سنگین جان لے سکتی ہے مگر خود بے جان ہوتی ہے۔ بے جان، بے روح، بے عقل۔ اور سپاہی جو سنگین چلاتا ہے، وہ بھی ٹھنڈے فولاد کی طرح بے روح بے عقل ہو جاتا ہے۔ کیا وہ دس واقعی اس کے دشمن تھے؟ اس کو تو ان کے نام بھی نہیں معلوم تھے۔ اس سے پہلے اُس نے اُن میں سے کسی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کس کے بیٹے تھے، کس کے بھائی تھے، کس کے شوہر تھے، کس کے دوست تھے۔ اُسے کچھ نہیں معلوم تھا۔ اس کو صرف بتایا گیا تھا کہ وہ اس کے دشمن ہیں۔ اس کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کو مارنا اس کا فرض ہے۔ اور سو اس نے ان کو مار دیا تھا۔ جنگ سے واپس آنے پر اس کو بتایا گیا تھا کہ اس کا دوست دراصل اُس کا دشمن ہے۔ اس کے من کے اندھیرے میں جو شیطان بیٹھا ہوا تھا اس نے حکم دیا تھا کہ اسے مار دیا جائے اور اس نے سنگین اس کی پسلیوں میں اتار دی تھی۔ شاید یہ دس دشمنوں کے بعد یہ پہلے دوست کا خون نہیں تھا، شاید یہ گیارھویں دوست کا خون تھا جو اس کے ہاتھوں ہوا تھا۔

مگر پھر بھی اس کو اتنی تسلی تھی کہ اس کا دوست بغیر کوئی تکلیف محسوس کئے اس دنیا سے گزر گیا تھا۔ اس نے فوجی سنگین کو اس کی کمر سے جب کھینچ ک نکالا تھا تو بدن ٹھنڈا ہو چکا تھا مگر زخم سے گرم خون کا ایک فوارہ نکلا تھا جس کے چھینٹے اس کے کوٹ کی آستین پر گرے تھے۔ ثبوت کے طور پر سنگین کے ساتھ یہ کوٹ بھی مقدمے کے دوران پیش کیا گیا تھا اور سرکاری وکیل ڈرامائی انداز میں اس کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا "مائی لارڈ جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا"۔ اور وہ یہ سوچ کر مسکرا دیا تھا ک کہ وکیل صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ اس آستین پر تو دس اور انسانوں ک خون بھی پکار رہا ہے مگر وہ خون نہ وکیل صاحب کو نظر آئے گا نہ کوئ عدالت اس لہو کی پکار سننے کیلئے تیار ہے۔

اور اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی آنسو تھے جب وہ قتل کے اراد سے اپنے فلیٹ کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں اس کی بیوی سو رہی تھی آدھی رات گزر چکی تھی۔ روشنیاں بجھی ہوئی تھیں مگر کھلی ہوئی کھڑکیو میں سے پردوں کو سرسراتی ہوئی ہوا کے ساتھ چاندنی بھی دبے پاؤں اند آ گئی تھی۔ اس مدھم روشنی میں وہ اتنی خوبصورت، اتنی معصوم، ات بھولی بھالی لگ رہی تھی کہ اس کی ہمت نہ پڑی کہ سنگین کو میان سے با نکالے۔ پہلے اس کا خونی ارادہ تھا۔ جس ہتھیار سے اس کے عاشق کا خو کیا ہے اسی سے اپنی بیوی کا گلا کاٹ ڈالے گا۔ مگر اب وہ اس خیال سے کانپ اٹھا۔ جس سے اس نے محبت کی تھی وہ اس کا خون بہتا نہ دیکھ سکے گ یہ کام اس کو اپنے ہاتھوں میں لینا ہوگا۔ اس کی ٹریننگ ہی اس کو فوج م

دی گئی تھی۔ کمانڈو اسکول میں کراٹے انسٹرکٹر نے اس کو سکھایا تھا کہ گلے کی کونسی رگ کو دبانے سے دشمن کو ہمیشہ کیلئے خاموش کیا جا سکتا ہے۔ وہ سبق اس کو آج بھی یاد تھا اور اس کی بیوی نیند سے بیدار ہوئے بغیر ہی مرگئی اور جو مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تھی۔ وہ برقرار رہی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھا جن ہاتھوں نے بارہ خون کئے تھے۔ مگر اب اُسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی بیوی کے دامن سے بے وفائی کا داغ ہمیشہ کیلئے مٹا اس کی! اس نے اس کے ننھے ننھے گورے گورے پاؤں کا بوسہ لیا۔ جو اس وقت بے جان سنگ مرمر کے تراشے ہوئے تھے! پھر وہ اس کے پلنگ کی پائینتی بیٹھ گیا اور وہ آنسو جو ابتک اس کی آنکھوں میں چھلک رہے تھے وہ بہہ نکلے۔ اور اسے ایسا لگا کہ وہ رو رہا ہے نہ صرف اپنی بیوی کے لئے نہ صرف اپنے دوست کیلئے بلکہ ان گمنام، انجان دس آدمیوں کے لئے بھی جو سب اس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے! وہ اس وقت سسکیاں لیکر روئے جا رہا تھا جب صبح کے اجالے میں پولیس نے اس کو دو خون کرنیکے جرم میں گرفتار کیا اور جب اسے فرد جرم پڑھکر سنائی گئی تو وہ بڑبڑایا "بس دو خون؟ میں نے تو بارہ خون کئے ہیں" اور پولیس افسر سمجھے خون اس کے سر پر چڑھ گیا ہے یا وہ جان بوجھکر دیوانوں جیسی باتیں کر رہا ہے۔

"مجرم" جج اس سے مخاطب تھا مگر اُس سے آنکھیں چُرا کر دیکھ رہا تھا کیل صفائی کی طرف "اس سے پہلے کہ تمہیں سزائے موت دی جائے، تمہیں چھ کہنا ہے۔ ؟"

اور اسی لمحے میں آدمی کے دماغ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کیا کہے گا اور کیا کرے گا ہ آہستہ سے اپنی جگہ کھڑا ہو گیا "جی جناب" اس نے کہا اور جج کی طرف آنکھیں اکر دیکھتا رہا مگر وہ اب بھی کسی دوسری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"بزدل کہیں کا!" آدمی نے سوچا۔ جس کو سزائے موت دی ہے، اس سے ریں ملاتے ہوئے گھبراتا ہے!"

جج نے مجرم کی طرف دیکھے بغیر اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے سوال ۔"ہاں تو کیا کہنا ہے تمہیں؟ کوئی آخری خواہش؟"

"جناب والا۔ مرنے سے پہلے میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں جہاں میری ی کو — جہاں میری بیوی کی لاش پائی گئی تھی۔"

"منظور کیا جائے" جج نے عدالت کے کلرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ن اگر جیل کے قانون اس کی اجازت دیتے ہیں۔" اور کچھ کہنا ہے؟"

"جی نہیں، جناب والا۔ بہت بہت شکریہ، جناب والا۔"

تا۔ جج تو کہیں اور دیکھ رہا تھا سو اس نے تو نہیں دیکھا مگر عدالت میں ن اور لوگ حاضر تھے انہوں نے دیکھا کہ مجرم کو جب لیجایا گیا تو اس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ لوگ جو ابتک اس سے کچھ نہ کچھ ہمدردی رکھتے تھے اب ان کو بھی یقین ہو گیا کہ جو آدمی دو بھیانک خون کرکے مسکرا سکتا ہے اس کو تو واقعی سزائے موت ملنی چاہئے۔

آدمی کی آخری خواہش اس کی اُمید سے بھی پہلے ہی پوری ہو گئی۔ جیل کے قوانین کی رو سے وہ ایک بار پھانسی کی کوٹھری میں بند ہو گیا تو اس کو صرف ایک بار وہاں سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔ آخری بار! اس لئے اگر اُسے آخری بار اپنے گھر جانے کی اجازت ملی تھی تو عدالت سے سیدھا وہیں لیجانا ہو گا۔

"بس دس منٹ دے سکتے ہیں" پولیس کے دو سپاہیوں میں سے بڑے والے نے کہا۔ وہ لوگ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے فلیٹ پر پہنچے جو تیسری منزل پر تھا۔

آدمی نے بڑی عاجزی سے کہا "آپ اجازت دیں تو میں اس کمرے میں دس منٹ اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔ مرنے والی کی یادوں کے ساتھ! آپ دروازے پر پہرہ دے سکتے ہیں۔"

بڑے والے کانسٹبل نے کمرے کے اندر جاکر دیکھا۔ باہر جانے کے لئے دوسرا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صرف ایک کھڑکی تھی۔ سڑک سے پچاس فٹ اونچی "اچھا ٹھیک ہے" اس نے کہا "مگر کوئی گڑبڑ نہ ہو ورنہ یہ دیکھ لو" اور اس نے اپنی پیٹی میں لگے ہوئے پستول کی طرف اشارہ کیا۔

آدمی نے اندر جاکر دروازہ بند کر لیا مگر کانسٹبلوں کو اندازہ ہو گیا جب چٹخنی لگانے کی کوئی آواز نہیں آئی۔

"عجیب آدمی ہے یہ بھی" چھوٹے والے کانسٹبل نے اپنے ساتھی سے کہا "پہلے تو اپنی بیوی کو قتل کیا اور اب اسی کمرے میں اس کی یاد کر رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اس کی بیوی کا بھوت اس کا ٹینٹوا دبا رہا ہوگا۔"

بڑے والے کانسٹبل نے اپنا تجربہ بگھارتے ہوئے کہا "تم کیا جانو یہ سب خونی پاگل تو ہوتے ہی ہیں۔ ان کے سر پر خون سوار ہو جاتا ہے یہ بیچارہ تو فوج میں تھا، سنا ہے گورنمنٹ نے میڈل بھی دیا ہے۔ دس دشمن مارے تھے اس نے چھاپہ ماروں کے دستے میں تھا یہ۔"

چھاپہ مار! کمانڈوز! لفظ اس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ اس کے دماغ میں ایک شبہ بجلی کی کیطرح کوندا "چھاپہ ماروں کو تو اونچے مقاموں سے کودنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔"

دوسرے لمحے ہی وہ دونوں کمرے کے اندر تھے مگر کمرہ خالی تھا کھڑکی کے پٹ ہوا سے ہل رہے تھے جب انہوں نے نیچے دیکھا تو وہ سڑک کی دوسری طرف پہنچ چکا تھا۔ اتنے میں پیٹی سے پستول ہاتھ میں آیا وہ بھیڑ میں کھو گیا تھا۔

مگر کودنے سے پہلے آدمی اپنے جوتے اتار کر چھوڑ گیا تھا۔ "فکر نہ کرو" بڑے والے کانسٹیبل نے کہا۔ "میرے کتے ان جوتوں کی بُو سے اسے کھوج نکالینگے"

اس نے سنا تھا کہ نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ میلوں تک دوڑنے کے بعد جنگل میں رات ہوگئی اور آدمی تھک ہار کر پیڑوں کے جھنڈ تلے سو گیا۔ معلوم نہیں کتنی دیر سویا تھا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو اس نے اس آواز کو کوئی اہمیت نہیں دی، جھیل کے کنارے مینڈک ٹرا رہے تھے، دلدل میں جھینگر بول رہے تھے، گھاس میں مچھر بھن بھن کرکے اسے کاٹ رہے تھے — اور دور کسی گاؤں میں کتے بھونک رہے تھے کتے تو رات کو بھونکتے ہی ہیں مگر تھوڑی ہی دیر میں اس کو محسوس ہوا جیسے کتوں کے بھونکنے کی آواز تیزی سے قریب ہوتی جارہی ہے، جیسے کتے اس کی طرف دوڑتے ہوئے آرہے ہوں، ایک جھٹکے کے ساتھ اس کو احساس ہوا کہ یہ پولیس کے شکاری کتے ہیں جو اس کی بُو کا پیچھا کرتے ہوئے اُس کا تعاقب کرتے دوڑتے آرہے ہیں۔ اب تو ان کی آوازیں خطرناک حد تک قریب آرہی تھیں۔ دفعتاً اس کی سب حِسیں بیدار ہوگئیں۔ اور وہ اٹھ بیٹھا۔ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ چاند کمبخت کو بھی آج رات ہی نکلنا تھا۔ شاید گیارہویں رات تھی اور آسمان پر بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ اگر وہ پیڑوں کے سائے سے نکل کر بھاگا تو میلوں سے کتے اُسے دیکھ لیں گے۔ اور اگر نہیں بھاگا تو سونگھتے سونگھتے وہیں پہنچ جائیں گے اور منٹوں میں اس کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ دونوں حالتیں خطرناک تھیں مگر بھاگنے میں بچاؤ کی ایک صورت ہو سکتی تھی اگر وہ سامنے والی جھیل تک پہنچ گیا اور تیر کر اس کو پار کر گیا تو شکاری کتوں سے اس کا پیچھا چھوٹ سکتا تھا۔

اس کے تمام احساس، اس کے گٹھے ہوئے بدن کی تمام طاقت، اسکی تمام قوت ارادی سمٹ کر اس وقت اس کی بھاگتی ہوئی ٹانگوں میں آگئی تھی۔ ایسا لگتا تھا اسی وقت کے لئے فوج کے کمانڈو اسکول میں اس کو چھاپہ ماروں کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ بھاگتے بھاگتے اس نے مڑ کر چاند کی روشنی میں دیکھا کہ شکاری کتے دو ہیں اور انہوں نے اپنے ساتھ کے پولیس کانسٹبلوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اس وقت وہ چھلانگیں بھرتے ہوئے اس کی طرف آرہے ہیں۔ ایک کے مقابلے میں دو۔ مگر وہ کتے تھے اور وہ آدمی تھا! وہ بے عقل جانور تھے اور اس کے پاس دماغ تھا۔ اور اس دماغ کو وہ سب چالیں اور گھاتیں یاد تھیں جو ایسے موقع کے لئے اس کو سکھائی گئی تھیں۔ اور سو اس نے ان کو تگنی کا ناچ نچایا، سیدھا دوڑنے کے بجائے کبھی ادھر گیا کبھی اُدھر، پیڑوں کے گرد گھوم کر، ٹیلو پر سے ہو کر، کھیتوں میں سے، کاشتکاروں کے جھونپڑوں کے آنگن سے ہو کر۔ اس کو معلوم تھا کہ شکاری کتے ایک آدمی کا پیچھا نہیں کرتے وہ تو ایک خاص بُو کو سونگھتے سونگھتے اپنے شکار تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس لئے وہ ہر اس جگہ جانیکے لئے مجبور تھے جہاں آدمی کے بھاگتے ہوئے چک پھیریاں کھاتے ہوئے قدم ایک پل کیلئے بھی گئے تھے۔

چھاپہ ماروں کو دشمن کی فوج اور پولیس کے شکاری کتوں سے بھ سابقہ پڑ سکتا ہے اور اس لئے کمانڈو اسکول میں اس نے یہ بھی سیکھا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔ بھاگتے بھاگتے اُس نے ان سب ہدایات یاد کیا جو ایسے وقت کیلئے ان کو دی گئی تھیں۔ پل بھر کیلئے بھی رکے بغیر اس اپنی قمیض اتاری اور اس کا گولا بنا کر دور ایک طرف پھینکا اور پھر پسینے سڑا ہوا بنیان کو دوسری طرف کی چٹانوں میں گرایا۔ کچھ دیر کیلئے تو شکار کتے قمیض اور بنیان کے درمیان گڑبڑا گئے۔ غصہ انہوں نے کپڑوں نکالا۔ سونگھتے سونگھتے ان کو اپنے بھیانک دانتوں اور پنجوں سے تار تا کر ڈالا اب وہ ان سے کئی سو گز آگے تھا اور سامنے ہی جھیل کا پانی چاند میں چمک رہا تھا۔ یہی اس کی نجات کا ایک راستہ تھا۔ اس کو معلوم تھا ک شکاری کتے پانی میں اپنے شکار کی بو نہیں سونگھ سکتے۔

نکیلے پتھروں پر سے ننگے پیر بھاگتے ہوئے اس کے تلوے لہو لہان تھے۔ اس کو اپنے پیروں کے نیچے خون نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر ایک لمحے کیلئے بھی رُک نہیں سکتا تھا۔ کتوں نے پھر اس کی بو سونگھ لی اور اب وہ تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ اس وقت اس کی مانند تھا جس کی ٹانگ میں گولی لگی ہو اور وہ شکاری کتوں سے بچنے لنگڑاتا ہوا بھاگتا جارہا ہو، بھاگتا جارہا ہو، کیونکہ رکنے میں اس موت ہے۔

اور اب جھیل کا پانی اس سے چند قدم ہی رہ گیا تھا۔ زمین جو تک پتھریلی تھی اب نرم ہوتی جارہی تھی۔ پہلے گھاس کی نرمی جو اس کے پیروں کو ایسے لگی جیسے کسی نے اس کے تلوؤں کے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہو۔ پھر پھسلواں کیچڑ۔ ہوشیاری سے قدم رکھنا چاہئے ورنہ گر گیا تو کتے اس کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ مگر اب اس کے پیر ایک دلدل پھنس گئے تھے جو ہر لحظہ اس کو دھیرے دھیرے نیچے کی طرف کھینچ رہی تھی دلدل سے پاؤں باہر نکال ہی نہیں سکتا تھا۔ اب وہ کتوں کا مقابلہ تیار ہوگیا۔ کاش اس وقت اس کی سنگین اس کے پاس ہوتی تو وہ ا کے پنجوں سے نپٹ لیتا۔ مگر اب تو اس کی دونوں ٹانگیں بھی بیکار تھیں، گھٹنوں تک دلدل میں پھنسی ہوئی تھیں۔ اب تو اس کے صر

تھے اور دو خونی کتے تھے جو اپنے خوفناک دانت نکالے اس پر حملہ کر رہے تھے۔

کہتے ہیں بھونکنے والے کتے کاٹتے نہیں۔ مگر اِن دونوں کتوں نے شاید یہ مثل نہیں سنی تھی۔ وہ خوفناک آواز میں بھونک بھی رہے تھے اور پنجوں اور دانتوں سے اس کو کاٹ بھی رہے تھے اور اس کے پاس ان کا مقابلہ کرنے کیلئے صرف دو ہاتھ تھے۔ مگر کمانڈو اسکول میں اس کو یہ بھی سکھایا گیا تھا کہ دشمن کے شکاری کتوں کو بغیر گولی چلائے کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کی حفاظت کرتے ہوئے اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ سارجنٹ نے ایسے موقع کے لئے کیا بتایا تھا۔ "یاد رکھو کہ شکاری کتا شیر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس کو اپنے قریب نہ آنے دو۔ ٹھوکر سے کام لو، تمہارے فوجی جوتوں میں اسی لئے نیچے موٹی موٹی کیلیں لگی ہوئی ہیں۔ وقت پڑے تو ان جوتوں کی مار سے ہتھیار کا کام لو۔" مگر اس وقت اُن کو ٹھوکر کیسے مارے؟ اس کے تو ننگے پیر بھی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے جو آہستہ آہستہ اس کی ٹانگوں کو بھی اپنے اندر کھینچتی جا رہی تھیں۔

اس کے پاس تو اس وقت صرف دو ہاتھ تھے، جن سے وہ اپنے چہرے کی حفاظت کر رہا تھا جہاں چھلانگیں لگا لگا کر وہ دونوں شیطان اسکی آنکھیں نکالنے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت صرف مدافعت سے کام نہیں چلے گا، زہریلے پنجوں اور خونی دانتوں کی مار سے دونوں ہاتھ لہولہان ہو چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے ہاتھوں کی کھال اتر جائے گی اور خون بہہ کر ان کی ساری طاقت نکل جائے گی۔ اس سے پہلے ہی اُسے ان ہاتھوں سے کچھ اور کام لینا ہے۔

اس نے ایک کتے پر ساری توجہ مبذول کر دی اور اگلی بار وہ اس کی طرف اُچھلا تو اس کے ہاتھوں نے "کراٹے" کے ایک پینترے سے اس کا گلا پکڑ لیا اور زور سے دبایا۔ دوسرا کتا۔ اب اپنے ساتھی کو بچانے کیلئے اس پر حملہ کر رہا تھا۔ اس کی ننگی پیٹھ اور اس کا سینہ لہولہان ہو گیا۔ مگر اُس نے کتے کا گلا نہ چھوڑا دبائے ہی چلا گیا جب تک کہ دشمن بے جان نہ ہو گیا۔

اور اب صرف ایک دشمن باقی رہ گیا تھا۔ پہلا کتا زمین پر پڑا تھا ور دلدل اس کی لاش کو بھی اپنے اندر جذب کرتی جا رہی تھی۔ اپنے م ساتھی کا انجام دیکھ کر کتے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اب اس نہ کی شکاری جس میں ایک زہر بھری نفرت کا جذبہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

یہ لڑائی ایک آدمی اور ایک جانور کی نہیں تھی، دو جانوروں کا خونی ی مقابلہ تھا۔ آدمی بھی اس وقت ایک کتا ہی ہو گیا تھا۔ اگر کتا اُسے کاٹ سکتا لہ کو تھا تو اس کے دانت بھی مضبوط اور نکیلے تھے۔ اس کے ہاتھ کتے کا گلا ہ گھونٹنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کے دانت کتے کی گردن کو کاٹ رہے تھے جیسے وہ کتے کا خون پی جائے گا۔ اگر کتا خوفناک طریقے سے بھونک ر رہا تھا تو اس وقت آدمی بھی چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا، گالیاں دے رہا تھا، یہاں تک کہ کتے کی طرح ہی بھونک رہا تھا، اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے، اس کے منہ سے تھوک کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ اس کا اپنا خون اور ساتھ میں کتے کا خون۔ مگر اس وقت یا اس کی جان تھی یا کتے کی۔ اور کتا اگر حیوان تھا تو وہ بھی حیوان تھا۔ مگر ساتھ میں وہ انسان بھی تھا اور سو حیوانی طاقت کے ساتھ انسانی دماغ بھی شامل تھا۔ ایک دفعہ چار ٹانگ کے دشمن کی گردن اس کے ہاتھوں میں آگئی تو اس کے انگوٹھے نے ٹٹول کر وہ رگ ڈھونڈ نکالی جس کو دبانے سے نرخرہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کتا بے جان ہو کر گر پڑا، کتا "کراٹے" نہیں جانتا تھا!

اب وہ دونوں کتے ختم ہو چکے تھے۔ مگر اس کی اپنی جان اب بھی خطرے میں تھی۔ اور اس دشمن کے مقابلے میں نہ "کراٹے" کام آ سکتی تھی نہ جیوجِٹسو" یہ دشمن وہ دلدل تھی جس نے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی تھی۔ اس نے اب تک اس کا خیال نہیں کیا تھا مگر وہ کمر تک دلدل میں دھنس چکا تھا ایک کتے کی لاش تو آدھی سے زیادہ دلدل کی قبر میں اتر چکی تھی۔ دوسرے مُردے کا بھی یہی حشر ہونے والا تھا اور ڈر اس نے ایک جھرجھری لے کر سوچا) میری قبر بھی ان دونوں کے ساتھ ہی بنے گی۔

موت کا خوف جو عدالت میں جج کا فیصلہ سنکر بھی اس کی آنکھوں میں نہیں جھلکا تھا اس وقت اس کے سارے شعور پر چھا گیا۔ اس نے انتہائی مایوسی سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید بچنے کی کوئی صورت دکھائی دے جائے۔ تو سامنے پولیس کا کانسٹبل کھڑا نظر آیا۔ موٹا بھدا، چاند کی روشنی میں چہرے پر نفرت اور غصہ۔ پاس آیا تو اس کا گلا بھی دبا دونگا آدمی نے سوچا۔ مگر پاس آئے گا کیوں۔ اس کے ہاتھ میں تو پستول ہے۔

اسی پستول سے اس کی طرف نشانہ لگاتے ہوئے وہ دانت بھینچ کر بولا "تو نے میرے پیارے کالو اور لالو کو مار ڈالا کمبخت انھیں اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا میں نے۔ ابھی تجھے بھی ان کے پاس پہنچاتا ہوں، ہاتھ اوپر کر۔"

اور جب آدمی نے ہاتھوں کو سر کے اوپر اٹھایا تو کانسٹبل بولا "یہ ٹھیک ہے گولی سیدھی دل کے پار ہو گی۔" پستول نے اپنی نالی میں سے آگ کا شعلہ اگلا، ایک تڑاخہ ہوا۔ اور اس کے بعد آدمی کو نہ کوئی تکلیف محسوس ہوئی، نہ کہیں درد ہوا، صرف ایک میٹھی سی ٹیس کلیجے میں اٹھی اور اسے ایسا لگا جیسے وہ نیند کے اندھیرے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہے۔

خواب میں اس نے ایک نوجوان کو دیکھا اور پھر پہچانا کہ یہ نوجوان وہ خود ہے اور ایک چھوٹی سی خوبصورت سی لڑکی ہے جو ہنستی ہوئی بھاگ رہی ہے اور وہ اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اس کے ہاتھوں

میں اُس کا اپنا دل ہے اور اس دل کو وہ اس لڑکی کی نذر کرنا چاہتا ہے "دل دینا چاہتے ہو"۔ لڑکی نے کہا اور اب اس نے دیکھا کہ یہ لڑکی اس کی بیوی ہے جو پھر زندہ ہو گئی ہے "دل دینا چاہتے ہو تو لاؤ"۔ اور اس نے اپنا دل اس لڑکی کو دیدیا "ذرا سنبھال کر۔ میرا دل بڑا نازک ہے"۔ ابھی اس نے کہا ہی تھا کہ لڑکی نے دل کو زمین پر دے مارا اور دل جو کانچ کا بنا ہوا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور کانچ کا ایک تیز ٹکڑا اُڑ کر اس کو چبھ گیا عین اس جگہ جہاں کبھی اس کا دل تھا اور بڑی سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ مگر یہ تکلیف اصلی تھوڑی ہی تھی۔ یہ تو خواب کی تکلیف تھی۔

اور پھر بے ہوشی کی صدیاں گزر گیئں اور وہ درد کی لہروں میں ڈولتا رہا، ڈولتا رہا، اور اسے یہ یاد بھی نہ رہا کہ یہ سمندر ہے جس کی تہہ میں وہ ڈوبتا جا رہا ہے یا وہ دلدل ہے جو اس کی ٹانگ گھسیٹ کر قبر میں اتارنا چاہتی ہے۔ اور پھر اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی اس نوجوان سے کہہ رہی ہے جو وہ خود تھا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارا دل توڑ دیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا اتنا نازک ہے۔ لو میں تمہیں ایک نیا دل دیتی ہوں یہ تمہارے سینے میں فٹ آئے گا۔ تمہارے بہترین دوست کا دل ہے" اور اس نے وہ دل لے لیا اور اپنے سینے میں جو جگہ خالی تھی وہاں رکھ لیا مگر جگہ تنگ تھی، دل بڑا تھا، بڑی مشکل سے اِدھر اُدھر سے دبا کر اس کو جگہ پر لگایا مگر تکلیف اتنی ہوئی کہ اس نے سوچا میں مر جاؤں گا۔۔۔

بے ہوشی کے سمندر میں بڑی دور سے تیرتی ہوئی جج کی آواز آئی۔

"شاباش، ڈاکٹر۔ تم نے یہ آپریشن نہیں کیا، ایک چمتکار کیا ہے"۔

اور پھر اس کے بازو میں ایک سوئی چبھی اور وہ پھر بے ہوشی کے اندھیرے سمندر میں ڈوب گیا۔

جب درد اور بے ہوشی کی صدیاں گزریں اور اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ہر طرف سفیدی ہی سفیدی پھیلی ہوئی ہے۔ سفید دیواریں سفید دروازے، سفید کھڑکیوں میں سفید پردے لگے ہوئے فرشتوں کی طرح سفید فراک پہنے ہوئے نرسیں۔ اور سفید کپڑے پہنے ہوئے سفید داڑھی والا ڈاکٹر جو اس وقت خدا نظر آ رہا تھا۔؟

جب ڈاکٹر نے دیکھا کہ آدمی کو ہوش آ گیا ہے تو وہ چلتا ہوا اس کے پلنگ کے پاس آیا اور مسکرا کر کہا۔

"شکریہ، میرے دوست۔ اگر تمہاری قوت ارادی زندگی کا دامن چھوڑ دیتی تو آپریشن کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا"۔

آدمی کمزوری کے مارے زیادہ بول نہیں سکتا تھا پھر بھی وہ ہلکے سے بڑبڑایا "کیا آپریشن کر کے میرے دل میں سے گولیاں نکال دیں آپ نے؟"

ڈاکٹر کے سنجیدہ چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ اُبھر آئی "نہیں، میرے دوست۔ ہم نے تمہارے گولیوں سے چھلنی دل کو نکال کر اس کی جگہ ایک نیا دل لگا دیا ہے۔ یہ پہلا ایسا آپریشن ہمارے ملک میں ہوا ہے"۔

ایک اور ہفتہ گزر گیا۔ اب آدمی تکیوں کے سہارے پلنگ پر بیٹھ کر اخبار نویسوں کے سوالوں کا جواب دے سکتا تھا۔

"کیسا محسوس کرتے ہیں آپ؟ ایک نے پوچھا

"اچھا ہوں" آدمی نے جواب دیا "مگر کمزوری محسوس کرتا ہوں"

"کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں یہ پہلا آپریشن ہے جس میں ایک کا دل دوسرے کے سینے میں کامیابی سے لگایا گیا ہے۔؟"

"جانتا ہوں یہ سوچ کر ہی میرے سر میں چکر آ جاتا ہے"۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ حکومت نے آپ کے آپریشن پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہیں؟"

"جی ہاں۔ یہ بھی میں جانتا ہوں اور میں حکومت کا شکر گزار ہوں کہ میری جان بچانے کے لئے انہوں نے اتنا خرچ کیا۔ ان کے ڈاکٹروں نے مجھے نئی زندگی دی ہے"۔

"آپ کو اپنا پرانا دل پسند تھا یا یہ نیا دل پسند ہے؟"

"مجھے یہ نیا دل پسند ہے۔ پرانے دل میں بہت سی برائیاں آ گئی تھیں"

"مثلاً"۔

"مثلاً نفرت۔ تشدد پسندی۔ شبہ۔ وہم۔ نئے دل کے ساتھ میں نئی زندگی شروع کر سکتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے اشارہ کیا کہ کافی وقت ہو گیا ہے، اور اخبار نویس اٹھ کھڑے ہوئے مگر جانے سے پہلے ایک جرنلسٹ نے پوچھا "بس ایک آخری سوال۔ ہسپتال سے نکلنے کے بعد آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"زندہ رہنا۔ بس یہی میری زندگی کا پروگرام ہے۔ اور اب میں اس پروگرام کو پورا کر سکتا ہوں"۔

تین مہینے کے بعد آدمی کو ہسپتال سے چھٹی دیدی گئی۔

"اب تم گھر واپس جا سکتے ہو" ڈاکٹر نے کہا "خدا حافظ اور گڈ لک"۔

ایک بڑی آرام دہ، گدے دار موٹر میں بٹھا کر آدمی کو ایک نئی اور انجانی بلڈنگ میں لایا گیا۔ یہاں بھی ایک ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے کے لئے انتظار کر رہا تھا۔

ڈاکٹر نے آدمی کے دل کو ٹھوک بجا کر دیکھا۔ بلڈ پریشر کا آلہ لگا کر دیکھا۔ سینے میں "سٹیتھوسکوپ" لگا کر دیکھا، سانس اندر سانس باہر" کرایا۔ امتحان کے لئے اس کی انگلی میں پن چبھا کر خون نکالا۔ اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور پھر اعلان کیا کہ آدمی کا دل اور دماغ دونوں بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں"۔

"قیدی اپنی سزا بھگتنے کیلئے پوری طرح سے قابل ہے۔" اس نے ان دار ڈرو
ے کہا جو آدمی کے ساتھ آئے تھے اور پھر ٹھنڈی سانس لیکر باہر چلا گیا۔

قیدی ! دفعتاً آدمی کو احساس ہوا کہ وہ ابھی تک حکومت کا قیدی ہے۔
س کا مانگا ہوا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

قیدی کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ ایک پادری کہیں سے نمودار ہو گیا
رجلوس چل پڑا۔ یہ سب اس کو کہاں لے جا رہے ہیں ؟ اور کیوں ؟

جیل کے دار ڈر

آدمی۔

وہ دونوں کانسٹیبل جن کو دھوکا دے کر وہ بھاگا تھا چھوٹا والا
موش اور مغموم تھا۔ بڑا والا مسکرا کر اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔
ی کی پستول کی گولیوں نے قیدی کے دل کو چھلنی کیا تھا۔!

جیلر

ڈاکٹر

اور سب سے پیچھے وہی جج جس نے اس کو سزائے موت کا حکم سنایا تھا
ر سو یہ سب جلوس کی شکل میں آدمی کو پھانسی کے تختے تک لائے۔

جلاد ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے آدمی کے سر اور چہرے پر کالا غلاف
اھا دیا۔ آدمی نے اپنی گردن کے گرد پھانسی کا پھندا تنگ ہوتا محسوس کیا
ں کے دماغ میں موت کا ڈر اتنا نہیں تھا جتنی ایک عجیب بے چینی تھی،
بہم سا سوال تھا، اس کا جواب کیا تھا، اب یہ سوچنے کا وقت نہیں

رہ گیا تھا۔ شاید اس کی موت کے بعد دوسرے آدمی اس سوال کو دنیا
کے سامنے پیش کریں گے۔ شاید کوئی اس کا جواب بھی دے سکے۔ لیکن اس وقت وہ دنیا میں نہیں ہوگا۔

جیلر نے اشارہ کیا، جلاد نے ایک ہتہ دبایا، آدمی کے پیروں کے نیچے سے تختہ گر گیا اور آدمی پھانسی پر لٹک گیا۔ چند لمحوں میں اس کی زندگی کا افسانہ ختم ہو گیا۔

ڈاکٹر نے لاش کا معائنہ کیا۔ اسٹیتھو سکوپ لگا کر سینے کا معائنہ کیا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ دل کی حرکت ۔۔ اسی دِل کی حرکت جو ایک مرتے ہوئے آدمی کے کلیجے میں سے نکال کر دوسرے آدمی کے سینے میں لگایا گیا تھا۔ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ہے تو اس نے سرٹیفکیٹ پر دستخط کر دیئے۔ "میری موجودگی میں پھانسی دیدی گئی۔ اور وہ پھانسی پر لٹکا رہا۔ جب تک مجرم کے دل کی حرکت ہمیشہ کیلئے بند نہ ہو گئی۔"

جج کے چہرے پر ایک گہرے اطمینان اور فتحمندی کے احساس کے آثار تھے۔ آج قانون اور انصاف کی بہت بڑی جیت ہوئی تھی۔

اور اوپر آسمان میں اڑتی ہوئی سفید بطخوں کی ڈار ایک سوالیہ نشان کی
شکل میں دکھائی دی۔ اور اس سوالیہ نشان کی پرچھائیں جب اس جیل پر سے اڑتی ہوئی گزری تو ایسا لگا کہ جیسے پھانسی گھر اور پھانسی کی جھولتی ہوئی رسّی پر ایک لمحہ کے لئے یہ سوالیہ نشان منجمد ہو گیا ہو۔

With the Compliments of :

Karachi Carbon and Ribbon Manufacturing Company Limited

B/65, SITE KARACHI-16.

Manufacturers of :-

Typewriter Carbon Paper, Typewriter Ribbons,
Teleprinter Rolls, and Ribbons Duplicating Ink etc.

غزل

زندگی ہے بے نوا تو بے نوا کہتا ہوں میں
اب یہ میرا حوصلہ جو بر ملا کہتا ہوں میں

زخم کو کہتا ہوں زخم اور درد کو کہتا ہوں درد
دوستو تم ہی بتاؤ اور کیا کہتا ہوں میں

نیم شب کی چاندنی کو روشنی کہتے ہیں لوگ
اور اس کو تیرگی کی انتہا کہتا ہوں میں

رنگ لائے گا سرِ صحرائے غم دل کا لہو
ہاں اسی بنیاد پر اس کو حنا کہتا ہوں میں

اُس کے غم میں جو کھلے اس زخم کو کہتا ہوں گل
اُس گلی سے جو چلے اُس کو صبا کہتا ہوں میں

دوستو اس شہر میں ہر سنگ ہے سر کا حریف
دوستو اس شہر کو شہرِ وفا کہتا ہوں میں

چاک دامانی ہی جب شرطِ جنوں ٹھہری تو پھر
چاک دامانی! تجھے شرط قبا کہتا ہوں میں

ایک اپنا غم پھر اپنے دَور کے انساں کا غم
اپنے غم کو اپنے غم کی ابتدا کہتا ہوں میں

پھر کوئی زنجیر اُس زنداں سے دیتی ہے صدا
اور اس آواز پر پھر مرحبا کہتا ہوں میں

ایک سورج ایک ڈھلتا چاند اک بجھتا دیا
اور پھر وہ جس کو جو تھا مرحلہ کہتا ہوں میں

لوگ کہتے ہیں مرے سر میں ہے زہرِ خود سری
اور اِس کو اپنی عزت کا نشہ کہتا ہوں میں

اس سے کیا، مفہوم تو پھر بھی سمجھ جائینگے لوگ
راہزن کو فرض کیجے رہنما کہتا ہوں میں

ساقی جاوید

عاشق کیرانوی

مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

دل و نظر کے تقاضے ہیں بے قرار ابھی
گمانِ جذبۂ الفت ہے شرمسار ابھی
جبینِ صبحِ مسرت ہے داغدار ابھی
ہمارا دامنِ ہستی ہے تار تار ابھی
مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

ابھی ہے رونا وہی زندگی کے ماروں کا
ابھی ہے ذکر وہی ظلم کا شراروں کا
وہی ہیں شعلے ابھی قلبِ زیست میں پنہاں
ابھی چلن ہے وہی اپنے تاجداروں کا
مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

سلگ رہے ہیں در و بام زندگی کے ابھی
ہیں بند راستے انسان کی خوشی کے ابھی
قدم قدم پہ ہے نیلام آرزوؤں کا
ہیں سوئے عام شبِ غم کی بیکسی کے ابھی
مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

ہیں نیم جاں ابھی میرے وطن کے پیر و جواں
ہر ایک لب پہ ابھی رقص میں ہے آہ و فغاں
ابھی ہے سینۂ مزدور یاس کا مسکن
تڑپ رہے ہیں ابھی روٹیوں کو سب دہقاں
مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

مرے رفیقو مرے ساتھیو ذرا جاگو
اب ہو چکی ہے بہت غم کی انتہا جاگو
یزید بننے لگے ہیں محافظ ہستی
لٹیرے ہونے لگے اب تو رہنما جاگو
مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

مرے رفیقو بدل دو یہ رسم و راہِ کہن
یہ نظم ظلم و ستم اور یہ دورِ رنج و محن
جہادِ حق کے لئے غور و فکر کیا معنی
اٹھو اور اٹھ کے الٹ دو بساطِ دار و رسن
مرے رفیقو ذرا آؤ زندگی کے قریب

پروفیسر این ڈی، خان

عہدِ جدید
اور
تصوّرِ مملکت

عہدِ جدید سے ہماری مراد وہ زمانہ ہے جس میں موجودہ نسل کے شعور کو بلوغت نصیب ہوتی ہے۔ یہ دور تاریخ کے دوسرے دوروں سے کچھ مختلف ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ دور مکمل طور پر مختلف ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس ور میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں واضح تبدیلیاں ہوئی ہیں اور ان نمایاں تبدیلیوں ردعمل یہ ہوا ہے کہ عہدِ جدید کے انسان نے عہدِ ماضی کے نظریات کو یا تو اپنے لات کو مدِنظر رکھتے ہوئے قطعی طور پر ناکارہ قرار دے دیا ہے یا یوں کہیے کہ ن نظریات کی خامیوں کا اندازہ کرتے ہوئے دورِ جدید کے انسان کے تقاضوں ور اس کے حالات کے مقابل قدیم نظریات کو فرسودہ اور ناکارہ محسوس یا ہے۔ اخلاقی طور پر، تہذیبی طور پر، نظریاتی طور پر الغرض کہ ہر اعتبار سے عہدِ جدید عہدِ گذشتہ سے بالکل برعکس ہے۔ اگر آپ تاریخ انسانی کے افکار ا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سمجھ لینے میں مشکل محسوس نہیں ہوتی کہ آج کے انسان نے اپنے اعتقادات اپنے نظریات اور اپنے اداروں کا عمل و تصور بالکل بدل کر ھ دیا ہے۔ بیسویں صدی جہاں سائنسی کمال اور ٹیکنیکل عروج کی صدی ہلاتی ہے وہاں یہ صدی سیاسی انقلابات کے اعتبار سے انسانی تاریخ کا ب سے قیمتی دور ہے۔ اس صدی کا اگر سیاسی طور پر تجزیہ کیا جائے تو حقیقتاً فیصلہ کن مرحلہ پر پہونچتی ہے کہ انسان نے اس دور میں اپنی سیاسی سوجھ بوجھ لپنے سیاسی اعتقادات و نظریات اور اپنے سماجی و سیاسی اروں کی تنظیم کی ڈگر بالکل بدل کر رکھ دی ہے اگر آپ تاریخ انسانی کے سیاسی کار کا سرسری جائزہ لیں تو یہ فیصلہ صادر کرنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی ہ دورِ جدید کے انسان نے زبردست توڑ پھوڑ کے بعد اپنے لئے ایسے سیاسی ام کی تشکیل کی ہے جو آئندہ مستقبل میں نہ صرف اس کے وجود بلکہ اس ے شخصی ارتقاء کا ضامن ہوگا۔

دورِ جدید کے انسان کو ان برسرِ اقتدار اداروں نے اب مکمل طور بر ان کی حیثیتوں کے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے بحیثیت سیاسی اکائی کے دورِ حاضر کے انسان کو یہ مقام حاصل کرنے میں زبردست قربانیوں اور سنگین سزاؤں کا شکار ہو کر اس منزل تک آنا نصیب ہوا ہے۔

تاریخِ انسانی کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انسان نے اپنے سیاسی اداروں کی تنظیم سنگین اور ہنگامی حالات میں کی تھی یہ وہ حالات تھے جب انسان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنے وجود کے تحفظ کا تھا۔ جہاں جس نے اور جن حالات میں اس کے وجود کے تحفظ کی ضمانت ملی وہاں انہیں ہنگامی حالات میں انسان نے اپنا سب کچھ تحفظ کا وعدہ کرنے والے فرد یا ادارہ کے ہاتھ میں سونپ دیا۔ لیکن یہ بات تاریخ کے ذرّہ ذرہ سے ثابت ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر ہنگامی اور ناخوشگوار حالات ہونے کے باوجود انصاف کے تقاضوں کو انسان نے اپنے سامنے ایک اعلیٰ نظریہ کے طور پر رکھا یہی سبب ہے کہ ہر دور میں جب غیر جمہوری سیاسی نظاموں کا دور دورہ تھا اس وقت بھی انصاف کے علمبرداروں نے بے سروسامانی کے باوجود باطل سے بھرپور ٹکر لی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ ایسے سیاسی اداروں کا نمائندہ تھا جس میں انصاف کے تحفظ اور انصاف کے علمبرداروں کی فتح تقریباً ناممکن تھی۔ یہ وہ دور ہے جب افلاطون اور ارسطو جیسے سیاسی علماء نے جمہوری نظام کو تقریباً ناپسند ہی کیا عہدِ قدیم کا یہ حصہ طاقت پر مشتمل تھا۔ حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کا وجود طاقت پر مشتمل تھا۔ کوئی لٹیرا یا ڈاکو اپنی طاقت کے بل بوتے پر ایسا نظام قائم کرتا تھا کہ جس کے ذریعہ وہ اپنے جیسے انسانوں کو مغلوب کر لیتا تھا اور کمزور عوام الناس اس غلبہ کے سامنے غلامانہ زندگی کو قبول کرنے پر مجبوراً رضامند ہو جاتی تھی۔ ہم یہ آج کے دور کی باتیں نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ عہدِ قدیم کی باتیں ہیں جب لاقانونیت تھی جب عنانِ مطلق اپنے دربار میں اپنے خوشامدیوں کے ٹولے کے ساتھ بیٹھ کر خوشامدانہ زندگی گذارا کرتا تھا اور اس دور کا بدنصیب انسان نہ صرف سیاسی حقوق بلکہ زندگی کے بنیادی حقوق اور زندگی کی روزمرہ کی اشیاء سے محروم تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے انسان کی طرح اس دور کے انسان میں بھی تھوڑا بہت شعور یقیناً تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا جا رہا ہے یقیناً اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ رک رک کر گھٹی گھٹی فضا میں سانس لے رہا ہے وہ اپنے خیالات کا کھل کر اظہار نہیں کر سکتا وہ تاج کی فرمانبرداری کرنے پر مجبور ہے۔ دراصل اس دور کا انسان ایسے ماحول کا شکار تھا جہاں ابہام اور توہمات نے اس کی نظر و فکر کو مقفل کر دیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ بے اطمینانی کے احساس نے جلد ہی ان حالات کو پیدا کر دیا جن حالات میں غریب اور محنت کش انسانوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر اور ایک دوسرے سے سر جوڑ کر ایسی تحریکوں کی تنظیم کی جن کا مقصد اس مکدر فضا سے نجات حاصل کرنا تھا اور تاج کو اس کے ظالمانہ اور جرائم پیشہ اعمال کی سزا دینا تھا بدقسمتی سے وسائل کی کمی اور حالات کے ناسازگار ہونے کے سبب اس دور کے

انسان کے پاس تنظیمیں نہیں تھیں یہی سبب تھا کہ اس دور کے انسان کی تحریکیں اس عنانِ مطلق کو پوری طرح سے اس کے ظالمانہ اقدامات کی سزا دینے میں ناکام ہو جایا کرتی تھیں خوشامدیوں کا ٹولہ جو روساء اور امراء یا زمینداروں پر مشتمل ہوتا تھا وہ تاج کی امداد کے لئے جمع ہو جایا کرتے تھے مسلسل تاج پر لگائی جانے والی کاری ضربات ان روساء اور امراء نے ڈھال بن کر اپنے اوپر لے لیں۔ جس کا فطری طور پر یہ ردِ عمل ہوا کہ اقتدارِ اعلیٰ عنانِ مطلق کے ہاتھوں سے نکل کر بے ضمیر چاپلوسوں اور ہوس پرست خوشامدیوں کے ہاتھ میں چلا گیا اس طرح آپ نے دیکھا کہ عوام کے انقلابات اور احتجاجات کا بوجھ عنانِ مطلق برداشت نہ کر سکا۔ جس کا خمیازہ اسے اس شکل میں بھگتنا پڑا کہ اسے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے اور حکومت اب چند با اثر بدکار اور عیار افراد کے ہاتھوں منتقل ہو گئی لیکن انصاف کا تقاضہ یونہی قائم رہا۔ یہ تقاضۂ انصاف ہمیشہ سے قائم تھا اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جب اس تقاضے کے تقدس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے گی حالات بدتر سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے جب ان روسائ اور امراء کے ٹولے نے عنانِ مطلق جیسے حالات کو جاری رکھا تو عوامی بے اطمینانی برابر فروغ پاتی رہی۔ اور بات یہاں تک پہونچ گئی کہ انسان نے اپنے فطری اور بنیادی حقوق کی بحالی کے لئے منظم ہو کر بھرپور جنگ لڑی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طویل مزاحمت کے بعد ان برسرِ اقتدار طبقوں کو عوام کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ بلاشبہ اقتدار سے چمٹے رہنے والے ان فرسودہ اور ناکارہ ذہنوں نے اس وقت تک اپنی شکست کو تسلیم نہیں کیا جب تک کہ حالات اور حقائق نے انہیں اپنی نحوست زدہ پیشانیوں کو بالکل جھکانے پر مجبور نہ کر دیا طویل جنگ و جدل اور بے مثال قربانیوں کے بعد انسان نے ایک جگہ اکٹھے ہو کر تمام افراد کے مفادات کو مدِ نظر رکھ کر ایسے سیاسی نظام کی اور ایسے سیاسی اداروں کی تشکیل کی جس میں ہر فرد کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہو۔ عرصۂ دراز کے بعد انسانوں کو شخصی اور روساء و امراء کے اقتدار کی لعنت سے نجات ملی تھی۔ اور اس لعنت کے مکمل ازالہ کے لئے عوام الناس کی حکومت قائم کی گئی یہ عہدِ جدید کی حکومت ہے۔ جس کا استدلال بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود ہے اس حکومت میں فرد و ملت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں جہاں کسی پر کسی کا اقتدار نافذ نہیں کیا جا سکتا جہاں کسی ذہن کو کسی دوسرے ذہن کے سامنے جھکانے کے لئے کوئی جواز نہیں تراشا جا سکتا جہاں عام انسانوں کو شانہ بشانہ آگے بڑھنے کے سارے مواقع فراہم کئے گئے ہیں دراصل یہ نظامِ حکومت اور اس کے وابستہ سیاسی ادارے انسانی پسندیدگی عوامی رضامندی اور اجتماعی مفاد پر مشتمل ہے۔ جس کے تحفظ میں ہر ہاتھ مساوی قوت کے ساتھ اٹھا ہوا ہے جس کے استحکام کے لئے ہر ذہن مکمل طور پر کوشاں ہے لوگوں نے ہزاروں سال کے تجربہ اور تحقیق کے بعد اس نظامِ حکومت کو بہتر اور برتر نظام قرار دیا ہے۔ یہ وہ نظامِ حکومت ہے جہاں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فلاح کے مواقع فراہم کئے جائیں بلکہ یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ جہاں ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور اس کی حیثیت اور اس کی ضرورت کے لئے پوری سہولتیں فراہم ہوں۔

ہم بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فرد و ملت کی فلاح و
کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ انسان کے سیاسی ارتقا
اور عروج کا لب لباب ہے اور اس نظام کی سنگ بنیاد ان جامع اور صحت
خطوط پر رکھی گئی ہے جو مکمل طور پر بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے ضامن
اور تمام مہذب اور ترقی یافتہ انسانوں نے اس حکومت کی برتری کو قبول کر
آیئے اس حکومت کے ڈھانچے کے نقشہ پر نظر ڈالیں۔ مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے
مندرجہ خطوط پر اس حکومت کی عمارت مشتمل ہے۔

(۱) حکومت کا پورا ڈھانچہ دستوری دانش کے مطابق تشکیل دیا جائے گا۔ اور
قدم پر انسانی اقدامات اس دستوری نظر و فکر کی رہنمائی کے محتاج رہیں گے یہ
انسانی سازشوں اور ہوسِ اقتدار کی برابر تنبیہہ کرتے رہیں گے۔

(۲) حکومت کا ڈھانچہ ان اداروں پر مشتمل ہوگا جنہیں اپنے اپنے معاملات میں بغیر
اداروں اور اشخاص کے اثر و رسوخ کے عمل کا پورا اختیار و آزادی ہو گی۔

ادارہ قانون ساز دستور کی رہنمائی کے مطابق عوام الناس کی فلاح و بہبود
قانون سازی کریگا۔ انتظامیہ کو صرف اور صرف یہ اختیار ہوگا کہ وہ ان
احترام کرے اور ان پر عملدرآمد کراتے۔ عدلیہ آزاد اور بے باک ادارے کی
سے قومی ضمیر کے تحفظ کے واسطے تمام اثرات سے بے نیاز ہو کر میزان کو برقرار
گا ــــ

(۳) انتظامی ڈھانچے کی تشکیل عوامی رضامندی کے مطابق کی جائے گی جب
جہاں بھی عوام چاہیں گے اس میں ردوبدل کریں گے۔

(۴) ان معاملات میں جن کا تعلق قومی مستقبل اور تقدیر سے ہوگا باقاعدہ
کی نہ صرف رائے معلوم کرنا ضروری ہوگا بلکہ آخری فیصلہ ان کی رائے کو
جائے گا۔

(۵) ہر فرد و بشر کو اظہارِ خیال کی مکمل آزادی ہو گی نشر و اطلاعات کے ذرائع
کی فرمانبردار یا خدمت گذار ادارہ کی حیثیت نہیں بننے دیا جائے گا۔

ملک کی دولت کی مساوی تقسیم ہو گی کسی کو ذاتی ملکیت رکھنے کا
اختیار نہیں ہوگا سرمایہ کے تمام ادارے اور تمام سرمایہ سرکاری تحویل
جو صرف عوامی نشوونما کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔

(۶) حکومت کا مزاج جمہوری سوشلسٹ، دستوری اور آزادانہ ہوگا۔

(۷) ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ حزبِ اختلاف کو اپنے سے علیحدہ تصور نہیں
اور حزبِ مخالف کی جانب سے کئے جانے والے اعتراضات پر بے جا اور بے ہودہ
نہیں تراشے گا بلکہ اسے بھی عوام کے ایک بڑے حصے کی آواز سمجھتے ہوئے احترام کی
سے دیکھے گا۔

(۸) حکومت کو سنجیدہ اور سنگین معاملات کی رہنمائی کے لئے ایماندار دانشوروں پر

ایک ٹریبونل قائم کرنا ہوگا جن سے مسلسل صلاح و مشورہ کیا جاتا رہے گا۔

(۹) مکمل طور پر عوام الناس کے بنیادی حقوق کو دستوری حیثیت کے ساتھ قبول کیا جائیگا۔

اقتدار طبقہ کو یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہیئے کہ آنے والا کل اس جانب سے وابستہ ہو سکتا ہے۔

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ چند خطوط ہیں جن کو رہنما بنا کر حکومت کی تشکیل کی جانی چاہیئے اس طرح کوئی حکومت صرف اس وقت تک برسرِ اقتدار رہ سکے گی جب تک کہ اسے عوام کا اعتماد اور ہمدردیاں حاصل ہوں۔ آج ہر جگہ وقت کا یہ مطالبہ ہے ہوشمندوں کو عقل سے کام لینا چاہیئے اور حالات کا رخ سمجھتے ہوئے دانشمندانہ اقدامات کرنا چاہئیں بلاشبہ مہذب اور ترقی یافتہ دنیا نے اس نظامِ حکومت کی صداقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے دنیا کے چند گوشے اب بھی ایسے باقی ہیں جہاں عہدِ قدیم جیسی حکومت کی نحوستیں اب بھی مسلط ہیں خصوصیت سے افریقہ اور ایشیا انہیں لعنتوں کی وجہ سے سیاسی بحران کا شکار بنا ہوا ہے آئے دن فوجی انقلاب کا آنا حکومتوں کا تختہ پلٹ جانا ظالمانہ آمریتوں کے خلاف مظاہروں کا ہونا اس حقیقت کی زندہ علامت ہے کہ سیاسی طور پر دنیا بیدار ہو چکی ہے اور بیداری کے سبب عوام اپنے قدیم حقوق کی بحالی کے لئے برسرِ عام آگئے ہیں اب زیادہ عرصہ تک عوام کی بڑی طاقت کو نہ دبایا جا سکتا ہے اور نہ ہی گمراہ کیا جا سکتا ہے جن حکومتوں کا قیام ان حقائق کو نظرانداز کر دے گا وہ ناپائیدار رہیں گی چنانچہ لفظِ آخر کے طور پر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ تشدد اور غیر جمہوری اقدامات کا ردعمل اجتماعی خون خرابے کی شکل میں رونما ہو سکتا ہے بنی نوعِ انسان کو اس زبردست خرابے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ دانش کا دامن تھاما جائے اور جمہوری اقدامات کے ذریعہ صحتمند فضا کو بحال کیا جائے۔

صحرا بہ صحرا کو بہ کو

پلاننگ گروپ" کی میٹنگ میں شرکت کی۔ اس میٹنگ میں نیٹو ایریا کے تحفظ کے لئے برطانیہ اور مغربی جرمنی کی طرف سے ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے سلسلے میں ایک تجویز کے مسودے پر غور کیا گیا۔ نیٹو کا یہ "ایٹمی پلاننگ گروپ" امریکہ نے مغربی یورپ کے ان ممالک کو رام کرنے کے لئے بنایا ہے جو امریکی ایٹمی اجارہ داری سے اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن مغربی جرمنی اور برطانیہ کا پیش کردہ یہ مسودہ امریکی تجاویز سے اس قدر مختلف تھا کہ امریکہ کو اس سے اختلاف کرنا پڑا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کے سلسلے میں امریکی سامراج اور اس کے مغربی یورپ کے "اتحادیوں" کے درمیان اختلاف بڑھ رہا ہے۔

امریکی سامراج کافی عرصے سے "ایٹمی ہتھیاروں کے خاتمے" کیلئے روسی ترمیم پسندوں سے سمجھوتہ کی زور شور سے تیاری کر رہا ہے اسکی واضح مثال مغربی جرمنی کے وزیر مالیات کا لندن کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اگر امریکہ اور روس کے درمیان "ہتھیاروں کے خاتمے" کا کوئی سمجھوتہ ہوا تو یہ مغربی یورپ کی قیمت پر ہوگا۔

ڈالر انک کی
عمدہ روانی خوشنما تحریر

with compliments

of

A.R.O. LIMITED

29-C, 28th Street, Block 6, P.E.C.H.S.
KARACHI-29

انور

وہسکی' سیب اور ہیرے

میں اس کو ایئر پورٹ کہنا پسند کرتا ہوں۔ مجھے ہوائی اڈہ اچھا نہیں لگتا۔ ہوائی اڈہ کہنے کے بعد میرے ذہن میں بدمعاشوں کا اڈہ ابھرتا ہے۔ یا لیبوں کا اڈہ نظر کے سامنے آجاتا ہے اوہ مصرع یاد آتا ہے کہ یہ ہوائی اڈہ دشمن نے اڑائی ہوگی اور پھر خواہ مخواہ ہوائی قلعے بنانے کو دل چاہتا ہے۔

ایئر پورٹ میں یہ نقص ہے کہ یہ انگریزی کا لفظ ہے، اردو زبان انگریزی کے الفاظ پسند نہیں کرتی۔ اردو زبان ہندی کا لفظ پسند کرتی ہے۔ سنسکرت کے الفاظ پسند کرتی ہے۔ عربی ارسی اور ترکی کے الفاظ پسند کرتی ہے۔ اردو زبان ایک فوجی کیمپ تھا۔ جو اب مہاجر کیمپ ن گیا ہے۔ اس میں ہر ملک کے الفاظ داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی زبان کے الفاظ کو ں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اس لئے انگریزی زبان کے الفاظ بغیر اجازت اس ں گھس آتے ہیں۔ چنانچہ جب اردو دان طبقے کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی کوثر میں دھلی ہوئی زبان میں سٹیشن اور سکول جیسے غیر مانوس الفاظ پائے جاتے ہیں۔ تو اس نے ان کو پکڑ کر شرف بہ اردو کر دیا یعنی سٹیشن کو اسٹیشن اور سکول کو اسکول بنا دیا۔ معلوم نہیں اسٹیشن اور اسکول ں الف اردو کا ہے یا ان پر لاٹھی چارج کا سمبل ہے۔ کالج کے دنوں میں ہمارے اردو، فارسی ر عربی کے پروفیسر نے ہمیں بتایا تھا کہ سٹیشن اور سکول میں پہلے دو حروف متحرک ہیں۔ اس ے ان کے تلفظ میں دقت ہوتی ہے۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے انگریزی کے سین سے شروع ہونے والے الفاظ کے آغاز میں الف کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سین ساکن ہو جاتا ہے، اور ف کو مسکور پڑھا جاتا ہے۔ سٹیشن اسٹیشن ہو جاتا ہے اور سکول اسکول۔ مجھے یاد ہے میں نے تھا۔ پروفیسر صاحب اس اصول پر تو سموسہ اسموسہ ہونا چاہیے اور سکون اسکون۔ تو پروفیسر صاحب سخت ناراض ہوئے، اور بولے "تم بے ادب ہو، کمیونسٹ ہو، میں تمہیں یونیورسٹی سے ارج کرا دوں گا۔" میں ڈر گیا اور کانپتا ہوا بولا: پروفیسر صاحب میں توبہ کرتا ہوں، میں وعدہ ا ہوں کہ میں آج سے سمتھ کو اسمتھ اور سکندر خان کو اسکندر خان کہوں گا۔ اس پر کلاس میں ہنگامہ یا، اور میرے ہم جماعت سمتھ اور سکندر خان کڑک اور گرج کے ساتھ بولے۔ بکو مت ہمارا نام غلط ت لو ورنہ ہم یونیورسٹی کے علاوہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی سیٹوں سے اٹھے اور انھوں نے مجھے گلے سے پکڑ لیا اور پروفیسر صاحب کلاس روم سے بھاگ کر سٹاف روم جا چھپے۔

آج تو میں ایئر پورٹ پر کسی کے خیر مقدم کے لئے آیا ہوں۔ ویسے عام حالات میں بھی ایئر پورٹ یا پسندیدہ تفریح گاہ ہے۔ کراچی کا یہ چھوٹا سا خوبصورت خطہ کراچی سے باہر کراچی سے بالکل لف ہے یہ ایک کھڑکی ہے جہاں سے ہم پاکستان سے باہر جھانکتے ہیں۔ یہ ایک نقطہ ہے جہاں سڑکیں نکل کر دوسرے ملکوں کو جاتی ہیں یہاں کی فضا بین الاقوامی ہے۔ اور جب میں شام ٹیوب لائٹوں کی روشنی میں ایئر پورٹ کی گیلری سے زندگی کا مشاہدہ کرتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ا ہے جیسے میں ایک بین الاقوامی شخص ہوں۔

لندن فلائٹ ڈیلے ہو گئی۔ انتظار کا وقفہ بڑھ گیا ہے۔ اچھا ہوا۔ اس روکٹ ایکٹ میں جہاں ائی مصروف انسان تند خو طوفانی رفتار سے بھاگا جا رہا ہے، وہاں انتظار کا وقفہ بڑا غنیمت ہے۔ اب اس کے پاس تعمیری اور تخلیقی کاموں کے لئے صرف انتظار کا وقفہ رہ گیا ہے۔ میں نے غم جاناں اور غم دوراں میں سے غم دوراں کا انتخاب کیا تھا۔ غم دوراں کو جب نزدیک سے دیکھا تو غم روزگار نکلا۔ میں غم جاناں سے بے پرواہ ہوں۔ غم روزگار میں مبتلا ہوں۔ یعنی میں غزلیں نہیں لکھتا کام کرتا ہوں۔ میں کام اس لئے کرتا ہوں کہ اس دنیا سے بھوک، بیماری، اور بیچارگی کا خاتمہ ہو جائے۔ میرے پاس بہت کام ہے' اتنا کام ہے کہ میں اپنا تخلیقی ادب کسی انتظار کے وقفے میں ہی پیدا کر سکتا ہوں۔ اور میں ادب کا اور اخبار کا مطالعہ کموڈ پر ہی بیٹھ کر کرتا ہوں۔

چنانچہ انتظار کا وقفہ ہے، اور میں ہوں اور میری تخلیقی قوتیں ہیں۔

پھر میری توجہ میرے نزدیک کھڑی ہوئی عورتوں اور مردوں کی ایک پارٹی نے کھینچ لی۔ اس پارٹی کے ممبروں میں اب یہ گفتگو ہو رہی تھی۔

چلو اب ریسٹورنٹ میں چل کر چائے پیتے ہیں۔ لندن فلائٹ میں ابھی بہت دیر باقی ہے۔"

مجھے فلائٹ انکوائری کی میم صاحبہ نے بتایا تھا۔" فلائٹ آدھا گھنٹہ دیر سے آئے گی۔"

"آدھا گھنٹہ! آدھا گھنٹہ تو دیر ہوئی گزر گیا۔ اب تو شیڈیول سے پچاس منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔"

"ہاں دس منٹ میں فلائٹ پہنچ جانی چاہیے،، مجھے فلائٹ انکوائری والے نے بتایا تھا کہ کہ فلائٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔ مجھے انکوائری آفس نے بتایا تھا کہ فلائٹ ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہے۔"

"اور میں ابھی ابھی انکوائری آفس سے آیا ہوں، مجھے بتایا گیا کہ فلائٹ دو گھنٹے لیٹ ہے۔"

عورتوں کی حیرت اور پریشانی میں بھیگی ہوئی آوازیں فضا میں بلند ہوئیں۔ لیکن ایک نہایت خوبصورت اور چمکدار کار نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ کر ان کو بے ہوش ہونے سے بچا لیا۔ کار پارٹی سے اور مجھ سے کچھ فاصلے پر آکر رکی کار میں سے ایک مرد اور ایک ہوش ربا حسینہ باہر نکل کر کھڑے ہو گئے ڈرائیور کار لے کر پارک کی طرف چلا گیا۔

مرد کو میں کیوں دیکھتا۔ میری دیکھنے کی تمام صلاحیتیں تو اس ہوش ربا حسینہ پر مرکوز تھیں۔ جو اس کے پاس کھڑی تھی۔ وہ سبز رنگ کی بنارسی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے نیلے تھے اور پلکیں اور بھویں گہری کالی تھیں۔ اس کے گالوں کی گولائیاں روج کی ہلکی سرخی سے تمتما رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ سرخی کی گہری تہوں کے نیچے لرز رہے تھے۔ ٹیوب لائٹوں کے روشن ماحول میں اس کا رنگ بہت گورا لگتا تھا، اور عمر بہت کم۔ وہ سنہری بوڈر والی سبز ساڑھی میں ایک خوبصورت درخت معلوم ہوتی تھی۔ جس میں اس کے گالوں کی ہلکی سرخ گولائیاں اور ہونٹوں کی گہری سرخ قاشیں پکے ہوئے لذیذ پھلوں کی مانند نظر آ رہی تھیں۔

میں اس کو بڑی بے شرمی سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے میں اس کو اس کی تشبیہ ڈھونڈنے کے لئے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں اس کو اس کی تشبیہ ملنے کی خوشی سے دیکھ رہا تھا۔ پھر جب وہ پارٹی کی عورتوں کے ہیلو ہیلو کے جواب میں پارٹی کی طرف بڑھی تو میں اس کو پارٹی کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر جب اس کے ساتھ والے مرد نے میرے کوٹ کے کالر کو پکڑ کر مجھے جھنجھوڑا تو میں اس کو پارٹی میں شامل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ والے مرد نے میرے کوٹ کے کالروں کو: وہ بھی مضبوطی سے پکڑ کر مجھے اور بھی زور

سے جھنجوڑا، میں نے خفا ہو کر کہا۔

"معاف کیجئے، میں مصروف ہوں؛ مجھے ڈسٹرب مت کیجئے۔"

اور پھر پہلی دفعہ میں نے اس مرد کو دیکھا۔ اور میں چلایا۔

"او۔ ہیلو بشارت بخاری، ہاؤ آر یو۔"

بشارت بخاری نے مجھے جواب دینے کی بجائے، اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور بھینچنے لگا۔ پھر ہم نے بڑے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملائے۔ اور میں نے کہا۔

"یار بشارت یہ تیری بیٹی ہے میں نے تو اسے بہت چھوٹی سی دیکھا تھا۔ کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ کتنی پیاری نکلی ہے۔"

بشارت نے دوستانہ خفگی کے لہجے میں جواب دیا۔

"او الو کے رشتے دار! تو کب اپنی مشہور جہالت کے مظاہرے سے باز آئے گا۔؟ تو کب بات کرنے سے پہلے اس کے نشیب و فراز کے بارے میں سوچنا شروع کرے گا۔؟"

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیوں کیا وہ لڑکی تیری بیٹی نہیں ہے؟۔"

"نہیں۔"

"پھر کون ہے؟"

"میری دلہن ہے۔"

"تمہاری دلہن یعنی تمہاری بیوی۔"

"ہاں۔"

"اور وہ پچھلے ہفتے کون تھی۔؟"

"وہ بھی میری بیوی تھی۔"

"اور اس سے پچھلے ہفتے کون تھی۔؟"

"وہ بھی میری بیوی تھی۔"

"اور سوسائٹی والے بنگلے میں کون ہے؟ جہاں تم نے میری ٹی پارٹی دی تھی۔"

"وہ میری پہلی بیوی ہے۔"

بشارت بخاری میرا بچپن کا دوست ہے، ہم ایک ہی محلے میں اچھلتے کودتے جوان ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے عمر میں کافی بڑا ہے تعلیم کی ریس میں وہ مجھ سے پانچ سال آگے تھا لیکن میں نے اُسے ایف اے میں جا لیا۔ ایف اے میں اُس کی اور میری مثالی دوستی کی بنیاد یہ تھی کہ وہ کالج کا کام میری کاپیوں میں سے نقل کر کے کیا کرتا تھا۔ پھر میں اس کو پیچھے چھوڑ کر بی۔ اے میں ہو گیا۔ اور جب میں نے بی اے پاس کیا تو وہ ابھی ایف اے میں ہی تھا۔ پھر وہ میرا کالج چھوڑ کر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں داخل ہو گیا۔ اُس کے بعد مدت تک ہماری ملاقات نہ ہوئی۔ آزادی کے کچھ عرصے بعد میں نے اُسے ایک شاندار قیمتی کار میں اور چمکدار خوبصورت وردی میں دیکھا۔ اُس نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ اور اتنا بھینچا اور اتنا بھینچا کہ میری پسلیوں کی ہڈیاں تڑخنے لگیں۔ پھر اُس نے میری اپنے سوسائٹی کے بنگلے میں چائے کی جہاں میرا اُس کی پہلی بیوی سے تعارف ہوا۔ وہیں میں نے اُس کی پہلی بچی دیکھی تھی۔ جو اب اتنی ہی بڑی ہو گی جتنی بشارت بخاری کی دلہن۔

ایئرپورٹ پر یکایک رونق بڑھ گئی شہر سے بیس بسیں آ کر ایئرپورٹ کے میدان میں رکیں۔ ان میں سے پانچ بسیں عورتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور پندرہ مردوں سے عورتوں اور مردوں کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے۔ وہ سب اپنے ہار لئے ہوئے ایئرپورٹ کی استقبالیہ ڈیوڑھیوں کی طرف بڑھے۔ جہاں کچھ سوٹوں اور اچکنوں والے حضرات کاروں میں پہلے سے آئے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

میں نے پوچھا۔

"بشارت یہ کیا ہو رہا ہے؟"

بشارت نے جواب دیا۔

"ایک سیاسی لیڈر مشرقی پاکستان کے دورے سے واپس آ رہا ہے۔ اُس کے الیکشن میں جیتنے اور منسٹر بننے کے امکانات ہیں۔ یہ اُس کی پارٹی کے ممبر اُس کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔"

بشارت اور میں گفتگو کا موضوع بھول کر سیاسی لیڈر کے جلوس دیکھنے لگے۔ میری نظریں جلوس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتی ہوئی یکایک ایک شخص پر رک گئیں۔ وہ شخص بڑا خوش نظر آتا تھا۔ وہ خوش خوش اپنے ہاتھوں میں ہاروں کو لہرا رہا تھا۔ پھر اس نے بڑے جوش میں آ کر اپنے بازو اُٹھا کر سیاسی لیڈر کا نام لیا اور اُس کے ساتھیوں نے زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ اُس کے بعد سارا ایئرپورٹ نعروں سے گونج اُٹھا۔ وہ شخص گلا پھاڑ پھاڑ کر نعرے بلند کر رہا تھا اور ہار ہوا میں لہرا رہا تھا۔ میں اُس کی طرف حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ میرا نوکر تھا

میں نے کہا۔

"بشارت! تم یہاں ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میرا نوکر مجھے دیکھ کر حیران و پریشان ہو گیا۔ میں اُس کو ایک طرف لے گیا اور بولا۔

"اللہ رکھے تو اس پارٹی کا ممبر کب سے ہوا ہے؟"

"نہیں جی میں ممبر تو نہیں ہوں جی۔"

"پھر تو یہاں کیا کرنے آیا ہے۔"

"ہمارے علاقے کے سارے نوکر آئے ہیں جی میں بھی آ گیا۔"

"لیکن تو کیوں اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ گلا پھاڑ رہا ہے۔ ناچ رہا ہے۔ کود رہا ہے تجھے کیا ملے گا۔"

"پانچ روپے ملیں گے۔"

میں چپ ہو گیا اور واپس بشارت بخاری کی طرف چل پڑا۔

بشارت بخاری پارٹی میں اپنی نئی دلہن کے پاس تھا۔ پارٹی اتنے طویل انتظار سے گھبرا کر ریسٹورنٹ میں چائے پینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بشارت بخاری اُن کے ساتھ جا رہا تھا۔ لیکن اُ نے مجھے آتے دیکھا تو اُس نے اپنی نئی دلہن سے کچھ کہا اور اس کو پارٹی کی دوسری عورتوں کے سا چھوڑ کر میرے پاس آ گیا۔

میں نے کہا۔

"بشارت، میں تمہیں اپنی نئی دلہن کی کمپنی سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ تم بھی ان کے ساتھ جاؤ۔"

بشارت نے جواب دیا۔

"میں تمہیں انٹرنیشنل لاؤنج میں لے جانا چاہتا ہوں۔ انٹرنیشنل لاؤنج میں ہم کیا باتیں کرنے وا اور وہاں ہم کیا کریں گے اس کے بارے میں میں اپنی دلہن کو آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔ اس پارٹی میں میری دلہن کے رشتے دار اور عزیز ہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

ہم انٹرنیشنل لاؤنج میں بار کے سامنے بیٹھ گئے۔ بشارت نے دو بڑے پیگ وہسکی کا آرڈر د میں نے بڑی مشکل سے اپنے ڈرائی ٹی ٹی ہونے کا یقین دلایا۔ بیرا ایک بڑا پیگ وہسکی کا اور ایک کولڈ ڈ لے آیا۔

ہم نے ایک دوسرے کا جام صحت پینے کے لئے گلاس ٹکرائے اور ان کو منہ سے لگا لیا۔ پھر اُس گلاس تپائی پر رکھ دیا۔ اور اپنا قیمتی سگار کیس میرے سامنے کر کے مجھے سگار پیش کیا۔

میں نے کہا۔

"میں اس نعمت سے بھی محروم ہوں۔"

وہ بولا۔

"تم اُس نعمت سے بھی محروم ہو اور اِس نعمت سے بھی محروم ہو۔ تم دنیا کی تمام نعمتوں ہو۔ میں جانتا ہوں، تم دنیا کی تمام نعمتوں سے کیوں محروم ہو۔ تم اس دنیا میں زیادہ دیر زندہ رہنا چا

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا چپ چاپ تپائی سے میں نے اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس ایک گھونٹ پیا اور پھر اس کو تپائی پر رکھ دیا۔

بشارت نے کہا۔

"جو لوگ اس دنیا میں زیادہ دیر تک زندہ رہنا چاہتے ہیں، وہ تمباکو اور شراب کو سلوپا ہیں۔ میں کہتا ہوں وہسکی کے ساتھ پچاس سال وہسکی کے بغیر سو سال کے برابر ہوتے ہیں۔ الجبرے ہیں اس پروبلم کو ایک مساوات کی شکل میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اس مساوات کی شکل یہ ہو گی۔

۵۰ سال × وہسکی = ۱۰۰ سال خشکی۔

وہسکی کے بغیر زندہ رہنے والوں کو اگر پچاس سال کی عمر میں کینسر ہو جائے تو وہ مرتے وقت بہت ہیں۔ اور کہتے ہیں اگر اسی طرح مرنا تھا تو کاش ہم کچھ کھا پی کر مرتے۔ دراصل یہ نقطہ نظر کا فرق

ا۔ ایک دفعہ ہمارے پروفیسر نے ہمارے کلاس کے لڑکوں سے پوچھا تھا۔ تم آئندہ زندگی سے کیا ں رکھتے ہو۔ وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ ہر ایک لڑکا سٹیج پر آکر یہ بتائے گا کہ وہ کالج کے بعد کس قسم کی زندگی گزارنا چاہے گا۔ تم نے سٹیج پر جاکر کہا تھا۔

ری زندگی کی سب سے بڑی ایمبشن ادب کی خدمت کرنا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ بین الاقوامی ادیب ہوکر مروں۔"

ور لڑکوں نے یک زبان ہوکر کہا تھا۔

لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن"

ب قہقہے مار کر ہنسنے لگے تھے۔

ور پھر جب میری باری آئی، تو میں نے سٹیج پر جاکر کہا تھا۔

ری سب سے بڑی تمنّا یہ ہے کہ زندگی مجھے بنگلہ دے۔ کار دے۔ دولت دے۔ دنیا کی ہر آسائش ل ہو۔"

کے میری بات پر زور زور سے ہنسنے لگے تھے۔ اور تالیاں بجانے لگے تھے۔ اور مولے موٹے نے جو میٹرک میں تین دفعہ اور ایف اے میں چار دفعہ فیل ہوا تھا، دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا کر کہا تھا۔

اللہ تو میٹرک میں تین دفعہ فیل ہونے والے اور ایف اے میں چار دفعہ فیل ہونے والے لڑکے م عطا فرما۔"

اقعی کالج میں میرا ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔ چنانچہ مجھے علیگڑھ یونیورسٹی کے بیک ڈور سے بی۔ اے تک پہنچنا پڑا۔ علیگڑھ یونیورسٹی کی ڈگری دو فرائض بڑی وفاداری سے انجام دے رہی تھی۔ وہ امیروں کو آئی۔ سی۔ ایس کی بلندیوں پر پہنچاتی تھی۔ اور غریبوں کے بچوں کو کلرکی کی عینک پہنا کر دفتروں میں یتی تھی۔ کلرک بننے کے بعد میں نے اپنی زندگی کا پروگرام بالکل بدل دیا۔ میری زندگی کا سب سے عورت، شراب اور دولت تھا۔ بھلا ایک غریب کلرک ان نعمتوں کے خواب کیسے دیکھ سکتا ہے۔ نے ایک لمبی، خشک، بے رنگ، صوم وصلوٰۃ کی پابند زندگی کا پروگرام بنایا۔ عورت اور شادی میری ے یکسر نکل گئی۔ فطرت کے تقاضے کی تسکین کے لئے میں اپنے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر عبداللہ گل کے پر پوشیدہ طور پر عمل کرنے لگا۔ مسٹر عبداللہ گل کا فارمولا تھا۔

کم خرچ بالانشیں۔

ند گل اس محاورے سے بڑا دلچسپ مطلب نکالتے تھے۔ وہ کہتے تھے اس محاورے کا مطلب یہ شیں جو ہوتی ہیں وہ کم خرچ ہوتی ہیں: بیوی پر بہت خرچ آتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس محاورے کی برکت رمجرد رہنے کا تہیہ کر لیا تمام دفتر میں اور محلے میں میری پارسائی کی دھوم تھی۔ اور میرے سب جاننے عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ میں راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد کی نماز کے بعد اپنی بدقسمتی اور بے بسی ا۔ آخر قدرت کو مجھ پر رحم آگیا۔ اللہ نے مولے موٹے کی دعا قبول کر لی۔ پاکستان بن گیا اور میں اس آگیا، اور میرے پاس چار کاریں ہیں۔ چار بنگلے ہیں، اور چار بیویاں ہیں۔ میری چاروں بیویاں افر تھیں۔ چاروں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اُن سے شادی نہ کی تو وہ خودکشی کر لیں گی۔ ے شادی کرنی پڑی۔ اب مجھے حکومت کی طرف سے لیڈی سٹینوگرافر رکھنے کی اجازت نہیں۔ وگرافر ایک لڑکا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں اس سے بھی شادی کر لوں گا۔"

زور زور سے ہنسنے لگا۔

ت نے اپنا سگار بجھا کر ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ اور وہسکی کا ایک اور پیگ منگوا لیا۔

ت دیر تک چپ چاپ وہسکی پیتا رہا۔ اور لاؤنج کے فرنیچر اور بار میں بوتلوں کی ترتیب کو دیکھتا ہ مجھ سے مخاطب ہوکر بولا۔

س کو ریسیو کرنے آئے ہو؟"

ے کہا۔

تان کا ایک ادیب آرہا ہے۔ وہ میرا دوست ہے۔ میرے پاس کچھ عرصہ ٹھہرے گا۔"

ے پاس ٹرانسپورٹ ہے؟"

ٹیکسی استعمال کروں گا۔"

وست اور تم میرے ساتھ میری کار میں جاؤ گے۔"

پیکر پر اعلان کی سریلی آواز گونجی۔

وحضرات توجہ فرمائیے۔ لندن فلائٹ بی نمبر ۴ آرہی ہے۔ لندن فلائٹ بی نمبر ۴ آرہی ہے"

بشارت مجھ سے مخاطب ہوا۔

"اب میں تمہیں یہ بتاؤں گا کہ میں تمہیں لاؤنج میں کیوں لایا ہوں۔ لاؤنج میں پیسنجروں کے سوا کسی کو آنے کی اجازت نہیں۔ میں اپنے عہدے کے اثر کو استعمال کر کے تمہیں اور اپنے آپ کو یہاں لایا ہوں۔ اس سلسلے میں جو کچھ تمہیں کہوں گا تم اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرو گے۔ اور تمہیں وہی کچھ کرنا ہوگا جو میں تمہیں کہوں گا۔"

میں نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اچھا۔"

وہ پھر بولا۔

"تم اپنے دوست کو لے کر بار کے کاؤنٹر پر بیٹھو گے۔ اور اس کو اس کی پسندیدہ ڈرنک آفر کرو گے۔ بارمین کو میں نے ہدایت کر دی ہے۔ بل میں ادا کروں گا۔"

"او کے۔"

"اس فلائٹ سے سپین کی ایک بیلے ڈانسر آرہی ہے وہ یہاں کے ایک بڑے ہوٹل میں ڈانسنگ کنٹریکٹ پر بلائی گئی ہے۔ میں اسکو ریسیو کرنے آیا ہوں۔ یہ بار روم جس کے سامنے ہم بیٹھے ہیں — انٹرنس ڈور اور لیڈیز کلوک روم کے درمیان واقع ہے۔ میں اُسے بیلے ڈانسر کو انٹرنس ڈور پر ریسیو کروں گا۔ اس کے پاس ایک کالا ہینڈ بیگ ہوگا اور ایک نیلا اٹیچی کیس۔ میں اُس کو انٹرنس ڈور کی دائیں جانب کے صوفے پر بٹھا دوں گا۔ جب تمہارا دوست اور تم اس بار کے کاؤنٹر پر بیٹھ جاؤ گے تو بیلے ڈانسر اپنا کالا ہینڈ بیگ لے کر لیڈیز باتھ روم میں چلی جائے گی۔ اور میں اس کا نیلا اٹیچی لے کر بار کے سامنے آجاؤں گا۔ اور ایسی جگہ بیٹھ جاؤں گا جہاں تمہارا دوست مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ تم مجھ سے کوئی بات نہ کرنا! جب بیلے ڈانسر لیڈیز کلوک روم سے واپس آجائے گی میں اس کو لے کر امیگریشن ڈیپارٹمنٹ چلا جاؤں گا۔ اور نیلا اٹیچی کیس بار کے سامنے تمہارے نزدیک چھوڑ جاؤں گا۔ اس طریقے سے کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ تمہارا ہے۔ لیکن اس دوران میں اگر کوئی اس اٹیچی کیس کے بارے میں تم سے پوچھے یہ کس کا ہے تو تم کہو، مجھے نہیں معلوم یہ کس کا ہے اور اگر اس کے بارے میں کوئی پوچھنے والا نہ آیا تو ایک خاکی وردی والا چپراسی اُس کو اُٹھا کر لے جائے گا۔ اُس کو چپ چاپ لے جانے دو۔ اور تم اس وقت تک اپنے دوست کو لے کر بار میں بیٹھے رہو گے جب تک چپراسی اٹیچی کیس کو نہ لے جائے میں تمہیں لینے نہ آؤں گا۔

ان پراسرار باتوں سے میں گھبرا گیا، لیکن اس سے پیشتر کہ میں اُس سے کوئی بات کرتا فلائٹ آگئی۔

ہم دونوں بے نمبر ۴ کے سامنے شیشے کی دیوار میں سے پسنجروں کو اترتے ہوئے دیکھنے لگے۔

میں نے دور سے اپنے دوست کو اور بیلے ڈانسر کو پہچان لیا۔

بیلے ڈانسر کے پاس ایک کالا ہینڈ بیگ تھا۔ اور ایک نیلا اٹیچی کیس ایک اور چیز اس کے پاس ٹرے کی قسم کی تھی۔ جس کو اس نے اپنے گلے سے لٹکایا ہوا تھا۔ ٹرے سبز رنگ کے پلاسٹک کی بنی ہوئی تھی اور لیس جس سے اس نے ٹرے کو گلے سے لٹکایا ہوا تھا، سفید تھی۔ اور ٹرے میں پھل نظر آرہے تھے۔ پھل بڑے بڑے تھے جیسے کشمیری سیب ہوں۔ اس طرح کراچی کی فٹ پاتھوں پر دکاندار اپنے گلے میں خوانچے لٹکائے ہوئے سگریٹ اور پان بیچتے ہیں۔ بیلے ڈانسر اپنے گلے میں پھلوں کی سبز ٹرے لٹکائے ہوئے سیب بیچنے والی معلوم ہوتی تھی۔

میرا مہمان لاؤنج میں آگیا۔ میں نے اُس کا پُرتپاک استقبال کیا اور بار کاؤنٹر پر بٹھا کر اُسے شمپین آفر کی اور میں نے پائن ایپل جوس لے لیا۔

انٹرنس ڈور سے بیلے ڈانسر کو لے کر بشارت لیڈیز کلوک روم کی طرف آیا۔ بیلے ڈانسر کی سیبوں کی ٹرے دیکھنے کے لئے میں بے قرار تھا۔ جب وہ بالکل نزدیک آگئی تو میں بے حد شرمندہ ہوا۔ وہ سیبوں کی ٹرے نہیں تھی وہ تو کچھ اور ہی تھا۔

اس کے بعد سب کچھ بشارت کی ہدایت کے مطابق ہوا۔

پھر بشارت مجھے اور میرے دوست کو لینے آگیا۔ پاسپورٹ اور سامان کی چیکنگ بشارت کی مدد سے بہت جلد ہوگئی۔

بیلے ڈانسر کو ہوٹل کا منیجر اپنے ساتھ لے گیا۔

میں اور میرا دوست بشارت کی امپالا میں پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔

اگلی سیٹ کے سامنے بشارت کی دلہن کے پاؤں کے پاس نیلا اٹیچی کیس پڑا تھا۔

اور میں گہری سوچ میں غرق ہوگیا۔

شبیہ عباس

"کونسل برائے باہمی اقتصادی امداد"

سوویت سماجی سامراجیوں کے جدید نو آبادیت کو بڑھانے کا ایک اور ذریعہ

سوویت ترمیم پسندوں کی وحشیانہ لوٹ " ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا " کے ممبر ممالک کے عوام کی بیداری کو تقویت بخش رہی ہے ۔ سوویت ترمیم پسندوں کا نو آبادیاتی سلطنت پر ظالمانہ اقتدار زیادہ عرصے نہیں رہے گا

سوویت ترمیم پسند حکمراں ٹولہ ایک طویل عرصے سے "کونسل برائے باہمی اقتصادی امداد" (ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا) کو اپنے نو آبادیاتی عزائم پورے کرنے کیلئے استعمال کررہا ہے ۔ اس کے ذریعے اس نے (ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا) کے ممبر ممالک کے حق خود مختاری کو جنگجویانہ طریقوں سے کچلا ہے، وہاں کے عوام کو غلام بنایا، ان کا بے تحاشہ استحصال کیا اور تمام ممکنہ ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں ۔

(ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا) کو عوام کی سخت مخالفت کا سامنا ہے ۔ سوویت ترمیم پسندوں اور دوسرے ممبر ممالک کے درمیان رسہ کشی روز بروز شدید ہوتی جارہی ہے ۔ اول الذکر اس کوشش میں ہے کہ اپنے کنٹرول کو مضبوط کرے اور موخرالذکر اس کنٹرول کی مخالفت کررہے ہیں ۔ حال ہی میں مذکورہ تنظیم (ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا) جس کو سوویت ترمیم پسند ناجائز طریقوں سے اپنے فائدے کیلئے استعمال کرتے ہیں، کے برلن میں منعقدہ بائیسویں اجلاس کے موقع پر سوویت ترمیم پسند پریس اور حکمران ٹولے نے اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کردیا ۔ اس طرح اس نے توقع کی کہ وہ عوام کو دھوکا دے کر ان اندرونی تضادات کو دھیما کرسکے گا جن سے (ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا) دوچار ہے تاکہ اس طرح وہ اس زنگ آلود ہتھیار کے استعمال کو جاری رکھ سکے ۔ لیکن اس حکمراں ٹولے کے شرمناک جھوٹ اس کے جرائم کو نہیں چھپا سکتے ۔

"خصوصی مہارت" کا مطلب نو آبادیت ہے

سوویت یونین کے حکمراں ٹولے نے بار بار کہا ہے کہ "خصوصی مہارت اور پیداوار میں تعاون، سوشلسٹ تقسیم محنت کی ایک اعلیٰ شکل" ہے ۔ جو سوشلسٹ تعمیر کو تیز کرتی ہے" لیکن حقیقتوں کا ایک انبار ثابت کرتا ہے کہ سوویت ترمیم پسند جس چیز کی وکالت کررہے ہیں وہ (ک ۔ ب ۔ ا ۔ ا) کے
ممبر ممالک کی قومی معیشت کی آزادانہ ترقی کی مخالفت کرکے انھیں نو آبادیوں
تبدیل کرنا ہے ۔

نام نہاد " پیداوار میں خصوصی مہارت" اور "بین الاقوامی تقسیم محن
کے مطابق جس کی سوویت ترمیم پسند وکالت کرتے ہیں بلغاریہ کو اپنی قومی صن
کو آزادی سے ترقی دینے کے حق سے محروم کردیا گیا ہے ۔ سوویت ترمیم پسندوں کے
فی الواقع ایک پھل دار درختوں کا باغ اور میووں کی مارکیٹ " بن گیا ہے ، سو
رسالے اکنامک گزٹ نے اس سال جنوری کے شمارے میں انکشاف کیا ہے کہ
سے برآمد کی جانے والی آدھی سے زیادہ تازہ سبزیاں، دو تہائی سے زیادہ خش
سبزیاں، ایک تہائی سے زیادہ پھل اور تمباکو سے تیار کردہ تقریباً سو ف
اشیاء سوویت ترمیم پسند درآمد کرتے ہیں ۔

سوویت ترمیم پسندوں نے "خصوصی مہارت" کے نام سے ہنگ
نہایت ظالمانہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی چند روایتی صنعتی اشیاء کی پیداوار کو یا تو
کردے یا انھیں کم کرے ۔ مثال کے طور پر یورپ میں ہنگری باکسائٹ کی پیداوار
دوسرے نمبر پر ہے لیکن سوویت ترمیم پسندوں نے ہنگری کو المونیم کی صنعت
ترقی دینے سے روک دیا ہے ۔ اب اس کے بجائے ہنگری باکسائٹ نکالت
اور بڑی مقدار میں سوویت یونین کو برآمد کرتا ہے جہاں اس سے المونیم ک
تیار کی جاتی ہیں ۔ سوویت یونین کی طرف سے پابندیاں عائد ہونے کے باع
ہنگری پندرہ سو ٹن سے زیادہ وزنی جہاز نہیں بنا سکتا ۔ ہنگری میں
کی صنعت ایک اچھا مقام رکھتی ہے ۔ لیکن اس کی ترقی میں سوویت تر
کی عائد کردہ ظالمانہ پابندیوں کے سبب رکاوٹ پڑ گئی ہے جنہوں نے
کے وائرلیس سیٹ تیار کرنے والے مختلف کارخانوں کی پیداوار رک
جرمن جمہوری ری پبلک بھی اس کے باوجود کہ اس کی صنعت ن

رقی یافتہ ہے، اپنا صنعتی ڈھانچہ سوویت ترمیم پسندوں کی ضروریات کے طابق نئے سرے سے ترتیب دینے پر مجبور ہے۔ اس کے کچھ بڑے صنعتی ارخانے جو روائتی اشیاء تیار کر رہے تھے اب صرف سوویت ترمیم پسندوں ی ضروریات پوری کرنے کے کارخانوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

بیشتر ممالک کی ناہموار معاشی ترقی

سوویت ترمیم پسندوں کی "خصوصی مہارت" کو بڑھانے کے سبب دک۔ ب۔ا۔ا) کے بیشتر ممبر ممالک میں معاشی ترقی کی ناہمواریاں شدید ہو گئی ہیں س کے نتیجے میں طور پر مذکورہ ممالک معاشی طور پر سوویت یونین کے بے حد تاج ہو گئے ہیں۔ سوویت ترمیم پسندوں نے دک۔ ب۔ا۔ا) کے بائیسویں جلاس میں نہایت خوشی میں اعلان کیا کہ اس نے دک۔ ب۔ا۔ا) کے ممبر مالک کے "خارجی معاشی تعلقات کو نئے سرے سے مرتب کیا ہے۔ جس میں ے اب دو تہائی سے زائد سوویت ترمیم پسندوں کی "برادری" کے ذریعے نٹرول کئے جاتے ہیں۔ سوویت پریس نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے، کہ ۱۹٦٧ء میں سوویت ترمیم پسندوں نے دک۔ ب ا۔ا) کے ممبر ممالک ی لوہے اور پٹرولیم کی تقریباً تمام درآمدات پر اپنا تسلط رکھا اور ان کی ر آمدات کی تین چوتھائی پٹرولیم کی تیار کردہ اشیاء اور فاسفیٹ کھاد، انچویں میں تیسرا حصہ ان کی روئی کی درآمد، پانچ میں تین حصوں سے زائد انکے چے لوہے کی درآمدات پر اپنا قبضہ رکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دک۔ ب۔ا۔ا) کے کچھ ممبر ممالک کی اکثر بڑی صنعتوں کا خام مال عام طور پر سوویت ترمیم پسندوں کے تسلط میں ہوتا ہے۔ ان حالات میں ان ممالک کی صنعتی ترقی صرف سوویت ترمیم پسندوں سے خام مال درآمد کر کے ہی برقرار رہ سکتی ہے، وہ سوویت ونین سے خام مال درآمد کرتے اور مختلف شرطوں اور اقسام و نمونوں کا لحاظ رتے ہوئے اشیاء تیار کرتے ہیں اور اس کے بعد تیار شدہ اشیاء سوویت یونین و بھیجتے ہیں۔ سوویت ترمیم پسند پریس کے انکشافات کے مطابق اس سال ۸۰ فیصد سے زیادہ پانی کے جہاز اور ان کے پرزے، تقریباً ساٹھ فیصد ڑیکٹر سازی کی صنعت کی اشیاء اور تقریباً نصف ٹرانسپورٹ اور کرینوں کے پرزے جو مشرقی یورپی ممالک نے برآمد کئے، سوویت یونین نے خریدے تھے۔ دک۔ ب۔ا۔ا) کے ممبر ممالک کی ناہموار معاشی ترقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۔ ناہموار ترقی جو سوویت ترمیم پسندی کی لائی ہوئی ہے۔ سوویت ترمیم پسندوں نے انھیں سوویت صنعتی اشیاء کی کھپت کی مارکیٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔ سوویت ترمیم پسند اکنامک گزٹ کے اس سال کے چوتھے شمارے میں اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ سنہ ۱۹٥ء کے مقابلے میں سوویت

مشینوں اور پرزوں کی برآمدات جو مشرقی یورپی ممالک کو کی گئیں اس کے تحت بلغاریہ کو برآمد کی جانے والی اشیاء میں پندرہ گنا، ہنگری کو گیارہ گنا جرمن جمہوری ریپبلک انیس گنا اور منگولیا کو برآمد کی جانے والی اشیاء میں سولہ گنا اضافہ ہوا۔

سستی خرید اور مہنگی فروخت

سوویت ترمیم پسندوں کا جبریہ منافع

سوویت ترمیم پسند حکمراں ٹولہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کرتا رہا ہے کہ "دک۔ ب۔ا۔ا) ایک ایسی تنظیم ہے جو معاون ملکوں کے فائدوں اور مفادات کیلئے قائم کیگئی ہے"۔ حقیقتاً سوویت ترمیم پسند دک۔ ب۔ا۔ا) میں مکمل سرمایہ دارانہ اصولوں یعنی "دوسروں کی لاگت پر منافع اور جنگل کے قانون" پر عمل کر رہے ہیں۔ دک۔ ب۔ا۔ا) ممبر ممالک کے ساتھ تجارت میں اپنی اجارہ داری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ سوویت ترمیم پسندوں نے غیر مساوی اشیاء کا تبادلہ کر کے منافع کے نام پر انھیں لوٹا ہے روبل کی قیمت بڑھاتے ہوئے اس نے بے حد ڈھٹائی کے ساتھ دک۔ ب۔ا۔ا) کے ممبر ممالک کو برآمد کی جانے والی اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیں، اور وہاں سے درآمد کی جانے والی اشیاء کی قیمتیں کم کر دیں دک۔ ب۔ا۔ا) کے ممبر ممالک کو خام مال کی فراہمی اور ان سے کچھ اشیاء کی خریداری میں اپنی اجارہ داری کو محسوس کرتے ہوئے سوویت ترمیم پسند سستا خریدتے اور مہنگا بیچتے ہیں۔ سوویت ترمیم پسند پریس نے اقرار کیا ہے کہ مغربی یورپی ممالک کے مقابلے میں مشرقی یورپی ممالک کو برآمد کی جانے والی اشیاء، مثلاً پٹرولیم، کچا لوہا، لوہے کی سلاخیں اور انتھراسائیٹ کی فی ٹن قیمتیں نوے سے دو سو فیصد تک زائد ہوتی ہیں۔ سوویت ترمیم پسندوں نے مذکورہ بالا چاروں اشیاء کی تجارت سے سنہ ۱۹٦٦ء اور سنہ ۱۹۷۰ء کے درمیان تین ہزار پانچ سو ملین روبل منافع کمانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ سوویت ترمیم پسند اٹلی کو ایک گیلن پٹرول ۱۰۳۱ - امریکی ڈالر پر، جاپان کو ۱۰۲٦، لیکن مشرقی یورپی ممالک اس کے برعکس اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنی تیار کردہ صنعتی اور زرعی اشیاء عالمی مارکیٹ کے مقابلے میں بے حد سستے داموں سوویت ترمیم پسندوں کو فروخت کریں۔ جرمن جمہوری ریپبلک کی تیار کردہ کچھ جہاز کی اور کپڑے کے کارخانوں کی مشینیں سوویت ترمیم پسندوں کو پچیس سے تیس فیصد تک کم قیمت پر فروخت کی گئی ہیں۔ سوویت ترمیم پسند جس انداز میں منگولیا کا استحصال کرتے ہیں وہ حقیقتاً ہولناک ہے۔ ایک سائیکل کی قیمت کے طور پر چار منگولین گھوڑے اور ایک کھلونا بھیڑ کے عوض ایک زندہ بھیڑ وصول کی جاتی ہے۔ نام نہاد مساوات اور باہمی مفاد کے یہ حقیقی معنی ہیں۔

سوویت ترمیم پسند "قرضوں" کے ذریعے

بے رحمانہ استحصال کر رہے ہیں

سوویت ترمیم پسند حکمراں ٹولے نے یہ شیخی ماری ہے کہ (ک۔ ب۔ ا۔ ا) کے ممبر ممالک کو جو "قرضے" وہ فراہم کرتے ہیں وہ ان کے لئے ایک اہم "امداد" ہیں۔ حقیقتاً اس کے "قرضے" اس لئے ہوتے ہیں کہ (ک۔ ب۔ ا۔ ا) کے ممبر ممالک کو سرمائے کی ایک کثیر مقدار دے کر ان پر اپنا اقتدار مضبوط کیا جائے اور بے تحاشا نفع لوٹا جائے۔ مثال کے طور پر منگولیا دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے جن کو سوویت یونین کی جانب سے سب سے زیادہ "امداد" اور "رعایتی قرضے" دیے گئے ہیں۔ ہر "غیر سودی امداد" جو سوویت ترمیم پسند منگولیا کو دیتے ہیں، سودی سرمائے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ بھاری منافعوں کے ساتھ واپس لی جاتی ہے۔ منگولین حکام کی جانب سے پیش کئے گئے اعداد و شمار کے مطابق سوویت ترمیم پسندوں نے سنہ ۱۹۵۸ء سے سنہ ۱۹۶۶ء تک منگولیا کو کل چھ سو ملین روبل کے "قرضے" فراہم کئے جس سے ہر منگولین پانچ سو پچاس روبل کا مقروض ہو گیا۔ منگولیا جس قدر رقم کا سوویت یونین کا مقروض ہے وہ اس کے تمام مویشیوں کی قیمت سے دس گنا سے بھی زائد ہے۔

سوویت ترمیم پسند حکمراں ٹولہ یہ بھی ڈینگ مارتا ہے کہ "(ک۔ ب۔ ا۔ ا) کے ممبر ممالک کی "برادری" دنیا میں ایک بے حد متحرک اور مثالی ممالک کے گروپ کی نمائندگی کرتی ہے"۔ جس نے مفروضہ طور پر "مشترکہ معاشی" ابھار" حاصل کیا ہے۔ حالانکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس حکمراں ٹولے کے بے رحمانہ استحصال اور دباؤ کے باعث (ک۔ ب۔ ا۔ ا) کے ممبر ممالک کی ایک تعداد پہلے سے زیادہ ڈانواں ڈول معیشت سے دوچار ہے۔ چیکوسلواکیہ دوسری عالمی جنگ سے پہلے نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ معاشی بنیاد رکھتا تھا۔ لیکن حالیہ سالوں میں سوویت ترمیم پسندوں کی لوٹ اور استحصال کے باعث اس کی صنعتی پیداوار بے حد مشکلات میں ہے اس کی زرعی پیداوار گھٹ چکی ہے۔ اور اس کی مالیت مستقل زوال کی طرف جا رہی ہے اب اسے قرضوں پر زندہ رہنا پڑ رہا ہے۔ منگولیا جو کہ سوویت ترمیم پسندوں کی مضبوط گرفت میں ہے اس کی معیشت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ منگولین حکام کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق منگولیا سنہ ۱۹۵۶ء میں چوبیس ملین سے زائد مویشی رکھتا تھا۔ لیکن دس سال بعد ۱۹۶۶ء میں بجائے اضافے کے ان کی تعداد کم ہو کر ۲۲ ملین سے کچھ زیادہ رہ گئی۔

حالیہ بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ سوویت ترمیم پسندوں کی بے رحمانہ لوٹ کے باعث منگولیا میں مویشیوں کی تعداد میں بے تحاشا
کمی آگئی ہے اور منگولین حکام نے عوام سے کہا ہے کہ وہ یا تو جنگلی جانو
کھائیں یا گوشت چھوڑ دیں۔ انہوں نے ہفتے میں ایک دن گوشت
ناغے کا بھی اعلان کر دیا۔ مویشیوں کی افزائش نسل کے بارے می
ایک مشہور ملک میں لوگوں کو گوشت کا نہ ملنا واقعتاً ایک عجیب خبر ہے۔

بیڑیاں یقیناً توڑ دی جائیں گی

بے شمار حقائق ثابت کرتے ہیں کہ سوویت ترمیم پسندوں کی زیرنگرا
چلائی جانے والی (ک۔ ب۔ ا۔ ا) اس کے ممبر ممالک کے عوام کو پہنا
گئی بیڑیوں کے سوا کچھ نہیں ہے سوویت ترمیم پسند غدار حکمراں ٹولے کی وحش
لوٹ اور بے رحمانہ استحصال نے (ک۔ ب۔ ا۔ ا) کے دوسرے ممبر ممالک کے
پر واضح کر دیا ہے کہ ان کی تمام مصیبتوں کی بنیادی وجہ سوویت سماجی سامر
وہ تیز رفتاری سے جاگ کر جد و جہد کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ سوو
ترمیم پسندوں کی نو آبادیاتی سلطنت ایک ایسے آتش فشاں پر قائم ہ
ہی اندر بھڑک رہا ہے۔ سوویت ترمیم پسند سماجی سامراجیوں
مختصر رہ گئے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ)

• •

"گلِ نو" مشامِ جاں کے لئے ایک گلِ تر ہے، عزم وحو
خلوص اور سچائی کا ایک مرقع دل گداز
تیور بھی نیا اور اسلوب بھی جاندار ہے۔

واحد پریمی کی منتخب غزلوں کا مجموع

"گلِ نو"

ضخامت:- ۱۴۴ صفحات خوبصورت گرد پوش

قیمت مجلد ۲ دو روپے

ناشر:- مکتبہ صبح ادب نزد مسجد ٹولوالی بھوپا

• •

اصغر شاہین

اری ٹیریا

ایک دوسرا کشمیر، ایک دوسرا فلسطین!

اری ٹیریا کے حریت پسند جنگل میں کسی مقام پر فوجی تربیت حاصل کر رہے ہیں

اری ٹیریا بحیرۂ احمر کے شمال مشرقی افریقی ساحل پر خلیج قصر سے لے کر خلیج ڈومرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ مغرب میں اس کی سرحد سوڈان سے ملتی ہے۔ جنوب میں یہ اتھوپیا یعنی حبشہ اور جنوب مشرق میں جمہوریہ صومالی سے ملحق ہے۔ اس کا رقبہ اٹھارہ ہزار تین سو پچاس مربع میل ہے۔ اس کی آبادی تیس لاکھ ہے جس میں سے تقریباً اسّی فیصد مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہاں عیسائیوں، یہودیوں اور اصنام پرستوں کی بھی آبادی ہے۔ دو لاکھ نفوس پر مشتمل شہر اسمارا، اس کا دارالحکومت ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ پچاس لاکھ ایکڑ اراضی کاشت کرنے کے قابل ہے اور سوا دو کروڑ ایکڑ کے قریب آراضی چراگاہوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس کا عام علاقہ پہاڑی ہے۔ یہ علاقہ ساحل سمندر سے ین ہزار سے لے کر نو ہزار فٹ تک بلند ہے۔ یہاں سونا، المونیم، پٹرول، پوٹاس ورفولاد پایا جاتا ہے۔ خاص دریا تین ہیں ان کے نام سینٹ، برکہ اور گنش ہیں۔ جناس کے علاوہ تمباکو، کپاس اور پھلوں کی پیداوار بھی ہوتی ہے۔ مساوا دراثاب کی بندرگاہیں آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ مویشی بھی افراط سے جود ہیں۔

اسلام، اری ٹیریا میں پہلی صدی ہجری میں آیا اور رفتہ رفتہ سارے ملک پھیل گیا۔ بعدۂ عرب قبیلے ہجرت کر کر کے یہاں آتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب بھی اری ٹیریا کے باشندوں کی بھاری اکثریت عرب نژاد ہے ویسے ابتداً ی ٹیریا وسیع سلطنت مصر کا ہی ایک حصہ تھا اور جب رومیوں کو طاقت وعظمت نصیب ہوئی تھی تو اری ٹیریا بھی ان کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ حالیہ تاریخ یہ ہے کہ ۱۵۵۷ء سے پہلے مقامی مسلمان سردار ہی اری ٹیریا کے حکمران تھے۔ اس کے بعد اری ٹیریا عثمانی خلافت کے زیر اثر رہا۔ ۱۸۶۴ء میں ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر یہ مصریوں کے ہاتھ میں آگیا پھر ۱۸۸۵ء میں اطالیہ کے ہاتھوں اس کا نوآبادیاتی دور شروع ہوگیا۔ باشندگان اری ٹیریا نے اطالیہ کے حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار وہ اطالیہ کے ظلم و بربریت کی تاب نہ لا سکے اور یوں ان کی مصیبتوں کا آغاز ہوا کیونکہ مسولینی کے اطالیہ کا اقتدار، اری ٹیریا میں بدترین نوآبادیاتی نظام کی انتہائی شکل تھا۔

دوسری عالمی جنگ میں اطالیہ، نازی جرمنی کے ساتھ ساتھ شکست فاش کھا چکا تھا لہذا چار بڑی طاقتوں یعنی روس، برطانیہ، امریکہ اور فرانس نے ۱۰ فروری ۱۹۴۷ء کو اطالیہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور یہ چاروں ممالک اطالیہ کی تمام نوآبادیوں کے مالک و مختار بن بیٹھے۔ مذکورہ معاہدہ کی دفعہ ۲۳ کے تحت ان طاقتوں کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ ایک سال کے اندر اندر مقبوضات اطالیہ کے متعلق آخری فیصلہ کر دیں۔ واضح رہے کہ اس معاہدہ کی رو سے یہ بھی طے پایا تھا کہ اگر یہ چاروں طاقتیں ایک سال کے اندر اندر متفقہ فیصلہ نہ کر سکیں تو اطالیہ کی مقبوضات کے سلب شدہ حقوق کا مسئلہ اقوام متحدہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اری ٹیریا کے مستقبل کے بارے میں آخری فیصلہ زیر التوا ہونے کی وجہ سے اری ٹیریا کے سارے انتظامات کا اختیار۔ برطانیہ

نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر چاروں بڑی طاقتیں اری ٹیریا کے متعلق کسی بھی ایک متفقہ فیصلے پر پہنچنے میں ناکام رہیں۔

جب ایک یقینی اور آخری فیصلے میں دیر ہونے لگی تو اری ٹیریا کے عوام نے آزادی اور قومی حق خود اختیاری کے حصول کے لئے فلک شگاف نعرے بلند کرتے شروع کردیئے

دوسری طرف ایتھوپیا نے سامراجی ناخداؤں کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کردی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایتھوپیا ایک خشک اور سمندر سے کٹا ہوا ملک ہے لہٰذا اس کی اولین خواہش یہ تھی کہ اسے اری ٹیریا کی بندرگاہوں سے فیضیاب ہونے کا موقع مل جائے بالآخر یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے سپرد کردیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایتھوپیا میں اری ٹیریا کو شامل کردینے کے لئے پیش کی جانے والی قرارداد نامنظور کردی اور اری ٹیریا کے عوام کی خواہشات کی بہتر تکمیل، ان کے مفادات کے اطمینان بخش تحفظ، اری ٹیریا سے متعلق تمام مسائل کے حل کی تلاش کرنے کے لئے ایک ایسا کمیشن مقرر کردیا جو اپنی تمام سفارشات اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کرے گا۔ یہ کمیشن، برما، گوئٹے مالا، ناروے، پاکستان اور جنوبی افریقہ پر مشتمل تھا۔ جب اس کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کی تو یہ پتہ چلا کہ کمیشن کوئی متفقہ رپورٹ پیش نہیں کرسکا ہے۔ ناروے نے اری ٹیریا کو ایتھوپیا میں شامل کردینے کی سفارش کی تھی۔ برما اور جنوبی افریقہ نے اری ٹیریا اور ایتھوپیا کے درمیان باہمی برابری اور اندرونی خودمختاری کے حامل وفاق کو تشکیل دینے کے حق میں رائے دی تھی پاکستان اور گوئٹے مالا نے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی زیادہ سے زیادہ دس سال رکھنے یا رہنے دینے کے بعد اری ٹیریا کے لئے مکمل آزادی کے حق میں وکالت کی۔ جب جنرل اسمبلی نے اس باتوں پر غور کرنا شروع کیا تو امریکہ نے جھٹ سے ایک اور تجویز کا مسودہ پیش کردیا جس کو دس کے مقابلے میں چھیالیس ووٹوں کی بھاری اکثریت سے منظور کرلیا گیا۔ چار ممالک نے اپنی رائے دینے سے احتراز کیا تھا۔ ۲ر دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء کو امریکہ کے ایماء پر منظور کی جانے والی اس قرارداد کے تحت حسب ذیل باتیں طے پاگئی تھیں۔

۱۔ اری ٹیریا ایک آزاد اور خودمختار اکائی کی حیثیت سے ایتھوپیا سے منسلک رہے گا۔

۲۔ اری ٹیریا کی حکومت کے پاس جمہوریت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق قانون سازی، نظم و نسق اور عدالت سے متعلق تمام اختیارات ہوں گے۔

۳۔ اری ٹیریا اور ایتھوپیا کے مساوی نمائندوں پر مشتمل ایک شاہی وفاقی کونسل قائم کی جائیگی اور اس کونسل کی میٹنگ اس وفاق کے مشترکہ معاملات پر صلاح مشورہ کے لئے سال میں ایک بار منعقد ہوا کرے گی۔ اری ٹیریا کے شہری اری ٹیریا کی آبادی اور وفاق کی آبادی کے تناسب اور قانون کے مطابق وفاقی حکومت کے انتظامی، عدالتی قانون سازی کے شعبوں میں عملی حصہ لینے کے حقدار رہوں گے۔

۴۔ وفاقی حکومت کے ساتھ ہی ساتھ اری ٹیریا بھی اری ٹیریا کے باشندوں کو قومیت، ذات، جنس، زبان اور مذہب کی تخصیص کئے بغیر بنیادی آزادیوں اور انسانی حقوق کے تحفظ کی پوری پوری ضمانت دے گا۔

حالانکہ اری ٹیریا کے عوام کی ایک بھاری اکثریت مکمل آزادی کی خواہاں تھی اور ہے اور اقوام متحدہ نے امریکی اثرات کے تحت اری ٹیریا کے عوام کی مرضی کے برخلاف اور ان کے قومی حقوق خود اختیاری کو کچلتے ہوئے وفاقی حکومت کے متعلق مذکورہ قرارداد پاس کردی تھی۔ لیکن اقوام متحدہ کی یہ تمام کارگذاریاں ایک ڈھکوسلے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں کیونکہ سنہ ۱۹۵۰ء سے لے کر اب تک اری ٹیریا میں جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ اقوام متحدہ کی منظور کردہ اس غیر منصفانہ قرارداد کی بھی کھلی خلاف ورزی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہوا یہ کہ وفاقی حکومت قائم کرنے کی بجائے ہیل سلاسی نے اری ٹیریا میں اپنا ایک فوجی گورنر نامزد کردیا اور آہستہ آہستہ اری ٹیریا کے عوام سے تمام اختیارات چھین لئے گئے۔ اری ٹیریا کی قومی دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ اری ٹیریا کا پرچم سرنگوں کردیا گیا اور جب اری ٹیریا کے عوام نے ان تمام کارروائیوں کے خلاف منظم احتجاج کرنا شروع کیا تو انھیں انتہائی بیدردی کے ساتھ کچل دیا گیا۔ اور نومبر سنہ ۱۹۶۲ء میں اری ٹیریا کے کسی بھی معاملے میں اری ٹیریا کے کسی بھی محب وطن کا کوئی عمل دخل نہ رہا۔ سب کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا گیا کیونکہ اسی زمانے میں ہیل سلاسی نے یکطرفہ طور پر اقوام متحدہ کی اس منافقانہ کاغذی قرارداد کو بھی کالعدم قرار دے دیا۔ اور اب اری ٹیریا امریکہ کی ایک نوآبادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس نوآبادی میں سنہ ۱۹۴۲ء سے اری ٹیریا کے دارالحکومت میں امریکہ نے ایک فوجی مواصلاتی مرکز قائم کر رکھا ہے۔ اس مرکز کا نام "ریڈیو میرینا" ہے طاقت، صلاحیت اور افادیت کے لحاظ سے یہ امریکہ کے سامراجی مقاصد کے لئے بڑی ہی دوررس اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ افریقہ کے اندر امریکہ کا سب سے بڑا فوجی اڈا ایتھوپیا میں ہی ہے۔ اور یہ تمام ترجیحات امریکہ نے ایتھوپیا کو تینتیس ۳۳ کروڑ ڈالر سالانہ بطور امداد دے کر حاصل کی ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مذکورہ فوجی امدادی رقم، ان ساری فوجی امدادی رقوم کے برابر ہے جو امریکہ، افریقہ کے دوسرے سارے ملکوں کو مجموعی طور پر دیتا ہے۔ اقوام متحدہ کے پردے میں امریکی سامراج اپنے نوآبادیاتی مقاصد در اصل اسی طرح پورے کر رہا ہے امریکہ کی طرح روس کا کردار بھی اری ٹیریا کے معاملے میں منافقانہ ہے کیونکہ اس نے بھی سب سے پہلے ۱۱ر جولائی سنہ ۵۹ء کو ایتھوپیا کے ظالم حکمراں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے دونوں نے "انتہائی دوست اقوام" بننے کا اقرار کیا۔ پھر سنہ ۶۰ء میں روس نے اری ٹیریا کی بندرگاہ "اکاب" میں آئل ریفائنری تعمیر کرنے، سونے کی کان سے سونا نکالنے، فولاد کا کارخانہ قائم کرنے اور عارضی امداد دینے کا دوسرا معاہدہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے پایا کہ یہ دونوں باہمی طور پر ثقافتی اور فنی شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے دوستانہ دوروں کا انتظام کریں گے۔

آج کل اری ٹیریا میں وہاں کی مقامی زبان اور عربی پر پابندی ہے۔ اسکولوں اور سرکاری دفاتر میں دونوں کے استعمال کو قابل سزا جرم سمجھا جاتا ہے۔ مقامی ثقافت ظلم و عتاب کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اری ٹیریا کی بندرگاہ "مساوا" میں جو بحری کالج قائم کیا گیا ہے اس میں زیر تعلیم سات سو طلباء میں سے ۶۹۰ طلباء تو ایتھوپیا کے ہیں اور صرف دس طلباء اری ٹیریا کے ہیں۔ ان دس میں سے تین مسلمان اور سات عیسائی ہیں۔

اری ٹیریا کے باشندے جو دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت رکھتے ہیں نہ صرف سیاسی حقوق سے محروم ہیں بلکہ ان کے لئے اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم تک دینا ممکن نہیں رہا ہے پورے اری ٹیریا میں صرف ایک سیکنڈری اسکول اور ۲۵ لوئر سیکنڈری اسکول ہیں مگر انتہائی ظلم یہ ہے کہ ان اسکولوں میں بھی صرف انہیں لوگوں کے بچوں کو دا

کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کی تحریک آزادی سے دور کا بھی واسطہ نہ رکھتے ہوں۔

ایک طرف تو اری ٹیریا کے باشندوں سے سامراجی پٹھو ہیل سلاسی کا یہ رویّہ ہے اور دوسری طرف اس پاپی نے اسرائیل کے یہودیوں کو ہر قسم کی مراعات دے رکھی ہیں۔ ایک اسرائیلی کمپنی انیکوڈا کو پورے اری ٹیریا میں مویشی خریدتے اور اس کا گوشت برآمد کرنے کا اجارہ دے دیا گیا ہے۔ یہ کمپنی روزانہ چار سو مویشی ذبح کر کے ان کا گوشت منڈیوں میں اسرائیل اور دیگر ممالک کو سپلائی کر رہی ہے۔ اری ٹیریا کی بہترین قابل کاشت زمین اسرائیلی آبادکاروں کے قبضے میں ہے۔ جہاں وہ مشینی زراعت کے ذریعہ کروڑوں ڈالر کما رہے ہیں۔ اری ٹیریا کے بازاروں میں تمام دوکانیں اسرائیل کے مال سے پٹی پڑی ہیں۔ یہ ہے وہ حیوانی ظلم و تشدد جو سامراجی اور ان کے پٹھوؤں نے اری ٹیریا کے عوام پر روا رکھا ہوا ہے۔

اب اری ٹیریا کے عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ ملک میں کئی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن گئی تھیں ان میں عیسائی اور مسلمان دونوں شامل تھے چنانچہ سنہ ۱۹۶۱ء میں مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا۔ مجاہدوں کی فوج کا نام اری ٹیرین لبریشن آرمی (ای ایل اے) تھا اور اس کے سیاسی شعبہ کا نام اری ٹیرین محاذ آزادی پڑ گیا۔

ہیل سلاسی کے لئے یہ جرأت ناقابل برداشت تھی اس نے اپنی پوری فوج مجاہدوں کے مقابلے کے لئے جھونک دی اس فوج کے بیشتر کمانڈر اسرائیلی تھے۔ اسی کے ساتھ ہی اری ٹیریا کے عوام پر ظلم و ستم کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سینکڑوں آبادیوں میں بمباری کی گئی۔ عورتوں، بچوں اور مردوں کا قتل عام کیا گیا۔ لیکن ایتھوپیا کے اخبار، ریڈیو اور حکومت نے اس سلسلہ میں کبھی کوئی بات نہیں کی۔ اگر ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء میں دو سویڈنی سیاح جن میں ایک صحافی اور ایک سیاستداں تھا اری ٹیریا کا دورہ نہ کرتے تو دنیا شاید یہ جان بھی نہ سکتی کہ اری ٹیریا کے ایک بڑے شہر قرین میں سربازار حریت پسندوں کو حکومت نے پھانسی دیدی۔ سی طرح دارالحکومت اسمارا اور بندرگاہ مساوا کے درمیان ایک بستی بندایں، ۷ حریت پسند دار پر لٹکا دیئے گئے۔ یہ لاشیں پھانسی پر ٹنگی ٹنگی سڑ گئیں اور اس وقت تک نہ اتاری گئیں جب تک کہ مقامی ڈاکٹروں اور حکمہ صحت نے حکومت سے درخواست نہ کی کہ اگر یہ لاشیں اسی طرح ٹنگی ہیں تو بستی میں بیماری پھیل جائے گی۔

اری ٹیریا کے محبان وطن کی طرف سے ایتھوپیا کی ظالم فوجوں کے خلاف نگ مزاحمت ابھی تک جاری ہے ویسے یہ صحیح ہے کہ ان کے متعلق لولہ انگیز خبریں سامراجیوں کے زیر اثر پریس میں دبا دی جاتی ہیں لیکن س کے باوجود اری ٹیریا کے مجاہدین آزادی نے ایتھوپیا کی حملہ آور فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ اری ٹیریا کے رہنماؤں نے دمشق قاہرہ اور جدّہ میں پنے جلاوطن دفاتر قائم کر لئے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر امریکہ کی قیادت ں تمام سامراجی ممالک اور خود اسرائیل ایتھوپیا کی اندھا دھند مدد کر ہے ہیں جبکہ اری ٹیریا کے عوام کی امداد و اعانت اہل عرب اور عوامی ہوریہ چین کر رہے ہیں۔ افریقہ میں اقتصادی پھیلاؤ اور تخریبی سرگرمیاں منظم کرنے کے لئے اسرائیل نے ایتھوپیا کو اپنی توجہ کا مرکز بنا رکھا ہے۔

۱۱ مارچ سنہ ۱۹۶۹ء کو فرینکفرٹ اور ۱۸ جون کو کراچی میں اری ٹیریا کے سربکف مجاہدین نے ایتھوپین ایئرلائن پر حملے کر کے جو کارنامے انجام دیئے ں۔ ان ہی کی وجہ سے یہ ممکن ہو سکا کہ ہم ان تمام روح فرسا حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے قابل بنے۔ ورنہ عام طور پر کسی کو احساس ہی نہ تھا کہ ہیل سلاسی کے روپ میں شیطان نے کیا کیا قیامتیں ڈھا رکھی ہیں۔

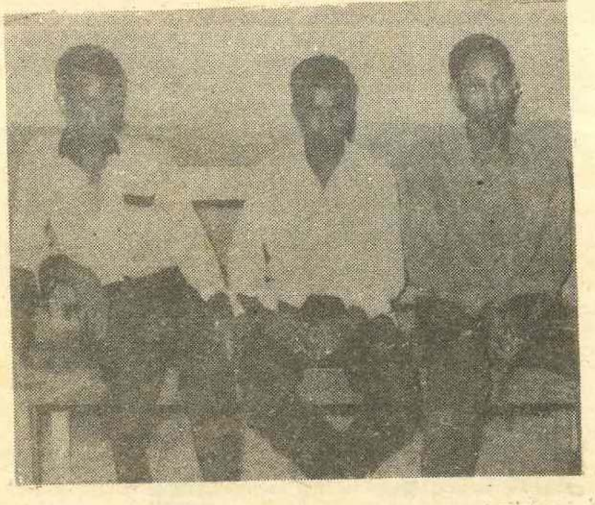

اری ٹیریا کے تین حریت پسند نوجوان (بائیں سے دائیں) محمد ادریس، علی عبداللہ اور الیس ابراہیم ایتھوپین ایرلائنز کے طیارے کو جھلتی کرنیکے بعد عالمی سطح پر اپنے عظیم مقاصد کی تشہیر کے مقدس جرم کی پاداش میں پولیس کی حراست میں بیٹھے ہیں۔

ہیل سلاسی اپنے ظلم میں اس حد تک اندھا ہو چکا ہے کہ اب اس کے نزدیک اری ٹیریا کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ وہ نہ صرف اسی فیصد مسلمانوں بلکہ دس فیصد عیسائیوں کے خون کا بھی پیاسا ہے۔ اس نے تحریک آزادی میں شامل سینکڑوں عیسائیوں کو بھی گولیوں کا نشانہ بنایا ہے اور عیسائی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اس کی جیلوں میں بند ہے لیکن اس کے باوجود اری ٹیریا کے عیسائیوں کی اکثریت بھی اپنے مسلمان ہموطنوں کی طرفدار ہے۔ یہ عیسائی تحریک آزادی میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں اور محاذ آزادی کی تنظیم کے اندر فصاحی جیسے جانباز عیسائی قوم پرست کی عملی شرکت اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے۔

علی عبداللہ کے والد، اس کے چچا اور خاندان کے دیگر کئی افراد کو جو حریت پسندوں کی تحریک اور تنظیم کے رہنماؤں میں شامل تھے ہیل سلاسی نے مار ڈالا، جابر بادشاہ کے اسی ظلم نے علی عبداللہ کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے والد، اپنے چچا، اپنے اہل خاندان اور اپنے شہیدانِ وطن کے خون کا بدلہ لینے کے لئے سر سے کفن باندھ لے۔

یہ صرف ابتدار ہے۔ یہ الفاظ اری ٹیریا کے نوجوان علی عبداللہ کے ہیں جس نے اپنے دو ہم وطن نوجوانوں کے ساتھ مل کر کل شام کراچی ایئرپورٹ پر ایتھوپیا کے ایک مسافر طیارے پر حملہ کر کے تمام دنیا میں سنسنی پھیلا دی۔ علی نے ہنستے ہوئے بتایا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت کیا ہے اس منصوبہ کا مقصد دنیا کی توجہ اری ٹیریا کے مسلمان عوام کے مطالبہ آزادی کی طرف مبذول کرانا ہے۔ اری ٹیریا کی قوم دوسری آزاد قوموں کی طرح آزاد و خودمختار ہونا چاہتی ہے۔

اری ٹیریا کے محاذ آزادی کے نوجوان رکن علی عبداللہ نے کہا کہ اب تک محاذ کی سرگرمیاں اری ٹیریا اور حبشہ تک محدود رہی ہیں۔ لیکن محاذ کی قیادت نے محسوس کیا کہ یہ سرگرمیاں اس وقت تک بار آور نہیں ہونگی جب تک کہ باہر کی دنیا کو ان کا علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ محاذ آزادی نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنے حلف بستہ ارکان کو اری ٹیریا سے باہر بھیجا ہے محاذ آزادی نے

(باقی ص۴۸ پر)

سیدہ حنا

آنسوؤں کے چراغ

انسان کی ہر تمنا پوری تو نہیں ہو جایا کرتی اور پھر تمہاری تمنا تو تھی بھی دنیا سے نرالی انسان پیدا ہوتا ہے بڑھتا پلتا ہے سن شعور کو پہنچتا ہے اور پھر طبعی عمر کو پہنچکر مرجاتا ہے۔ لیکن عالم طفولیت سے لیکر عہد پیری تک اس کی تمام ہمدردیاں ساری کوششیں ہر قسم کی سعی و جہد اپنی ذات اپنی بھلائی اور اپنے مفاد کے لئے وقف ہوتی ہے وہ اپنے لئے جیتا اور اپنے لئے مرتا ہے وہ اپنے آپ سے کبھی باہر نہیں جاتا اس کی تمام آرزوئیں اور تمام تمنائیں اپنی ہی ذات کے گرد گھومتی ہیں وہ اگر معاشرے کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو اپنا حق چھیننے اپنا قرضہ حاصل کرنے کیلئے اپنی طاقت منوانے اور اپنی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لئے اور اب تو انسان کی یہ ذہنیت بھی زوال پذیر ہے۔ انسانی کردار کا یہ پہلو بھی کمزور ہورہا ہے کل کا انسان جو کچھ کرتا تھا جریدۂ عالم پر اپنا دوام ثبت کرنے کے لئے کرتا تھا اس کو چندوں اور نعروں سے زیادہ نام و بقا کی آرزو ہوتی تھی۔ مگر آج کے انسان کے پیش نظر حال اور صرف حال ہے وہ حال میں جیتا اور حال میں مرتا ہے۔ چند کھنکتے ہوئے سکے دو چار فلک شگاف نعرے۔ سکہ پندار کی تسکین کے لئے کافی اور وافر ہوتے ہیں زندگی کا اوسط گھٹ رہا ہے اقتدار کی ہوس بڑھ رہی ہے اس حیات چند روزہ میں چار دن کے لئے ہی تو فرصت گناہ ملتی ہے پھر کیوں نہ اس مختصر مہلت میں دل کے حوصلے دل کھول کر نکال لئے جائیں۔

مگر تم نے تو جیسے صبح ازل سے ہی تمام عمر ناشاد و نامراد رہنے کا عہد کرلیا تھا وہ مئے الست جس میں تم تمام عمر مست رہیں خدا جانے کیسی کچھ تلخ و تند ہوگی جس کی تندی و حدت نے تمہارے آبگینوں سے زیادہ نازک اور گلابوں سے زیادہ حسین جسم کو پگھلا پگھلا دیا مجھے بتاؤ سلمیٰ۔ ! وہ کونسی تڑپ وہ کونسی لگن تھی جسنے تمہیں زندگی بھر ایک پل کیلئے بھی چین نہیں لینے دیا۔ تم تو عورت تھیں جو خود غرضی اور نفس پرستی میں مرد سے بھی چار قدم آگے ہوتی ہے سراپا تمنا۔ تمام تر آرزو۔ ہوس۔ خواہش اور ارمانوں کا وہ لامتناہی سلسلہ جسے باپ بھائی اور شوہر اور پھر بیٹے کی کمائی بھی ناکافی ہوتی ہے تم سے یہ کس طرح ممکن ہوا کہ ساری دنیا۔ دنیا کی ساری راحتیں تمام رنگینیاں اور ہر طرح کا عیش و آرام تج کر ہر آسودگی ہر لگاؤ اور ہر طرح کی حرص و آز کو دامن سے جھٹک کر۔ زندگی کے بھرے میلے میں یوں گوشہ نشین ہوجاؤ کہ کوئی دلنشین صدا کوئی نظر نواز منظر تمہیں اپنے خلوت کدے سے باہر نہ لا سکے۔ اس ہنگاموں رونقوں اور قہقہوں سے بھرپور دنیا میں یوں کسی نے اپنی زندگی کے لئے ویرانیاں منتخب نہ کی ہوں گی اس وقت جب بہار کی رعنائیاں شباب پر ہوں جب رنگین اور نظر فریب پھولوں کے چہار اطراف میں انبار لگے ہوئے ہوں کوئی دیوانہ ہی اپنے دامن کے لئے تار تار کردینے والے خشک اور نوکیلے کانٹے چن سکتا ہے اور پھر تمہارا دامن تو بے حد نفیس بے حد نازک حریری دامن تھا سلمیٰ۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتی تھیں کہ سارے انسان انسان ہوتے ہوئے بھی برابر نہیں ہوتے ہیں۔ ایک شاخ پر ایک جیسے دو پھول کھل سکتے ہیں مگر ایک انسان کے گھر میں جنم لینے والے دو بچے ایک سی شکل و شباہت نہیں رکھتے ایک جیسی صحت لے کر نہیں آتے۔ ان کے مزاجوں میں تضاد ہوتا ہے۔ وہ بڑے ہو کر آگے چل کر اپنی زندگی کے لئے جداگانہ نظریے وضع کرتے ہیں۔ مختلف کاروبار کو اپناتے ہیں ایک انسان قدرت ہی کی جانب سے اپنے لئے جداگانہ صلاحیتیں اور منفرد قسم کا طرز زندگی لے کر آتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اگر قدرت خود ہی انسانی فطرتوں میں اتنا تضاد نہ رکھتی تو دنیا کی تشکیل کس طرح ہوتی۔ اندھیرا نہ ہوتا تو اجالے کی قدر کون پہچانتا کانٹے نہ چبھتے تو پھولوں سے کون پیار کرتا۔ انہیں کون گلے لگاتا

مگر تم نے ان حقائق پر کبھی غور نہیں کیا بس انسان کو انسان کی تباہی انسان کی مفلسی اور ناداری کا ذمے دار ٹھہراتی رہیں۔ طبقاتی اونچ نیچ کا قصوروار گردانتی رہیں۔ کتنی عجیب خواہش تھی تمہاری اگر ایک انسان پتھر توڑتا ہے تو سب توڑیں۔ ایک انسان پھولوں کی سیج پر سوتا ہے تو سب سوئیں اگر تمہارا بس چلتا اگر ساری دنیا کی حاکمیت تمہیں ملجاتی تو تم سچ مچ ایسا کر کے بھی دکھلا دیتیں ایک بار تو ہر انسان کو مفلس سے مفلس نادار سے نادار انسان کو پھولوں کی سیج مہیا کردیتیں اور ایسا کرتے ہوئے تمہیں ایک بار بھی یہ خیال نہ آتا کہ پتھر توڑنے والوں کے جسم ریشم کے نہیں ہوتے اور ریشمی جسموں والے پتھر نہیں توڑا کرتے۔ تم بھلا ایسا سوچ بھی کس طرح سکتی تھیں تم نے تو ہمیشہ یہی کہا کہ پھولوں کی سیج پر سو سو کر خواہ مخواہ بھی لوگوں کے جسم گداز ہوجاتے ہیں ان کی جلد میں ریشم کی سی ملائمت آجاتی ہے۔

ممکن ہے تمہارے اس خیال میں تھوڑی بہت حقیقت بھی ہو۔ مگر میرے نزدیک یہ ایک مہمل سی بات تھی۔ اب ہمارے نظریات میں زیادہ تضاد نہ تھا۔ تم ساری دنیا کو آرام و آسائش مہیا کرنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہارے اور صرف تمہارے لئے۔ دنیا کی ہر آسائش ہر زیبائش اور ہر تزئین کو سمیٹ لینا چاہا۔ تمہاری نظر میں یہی میرا سب سے بڑا گناہ تھا۔ مگر یہ تو تمہاری رعنائی جمال تھی سلمیٰ جس نے میرے اندر تحصیل زر اور حصول اقتدار کی پیاس بھڑکا دی تھی۔

مگر تم نے میری ہر آرزو اور ہر امنگ کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اپنی ضد کے پیروں تلے روند ڈالا۔ میں نے تمہیں اجلی اجلی مسکراہٹیں پیش کیں۔ تم نے سلگتی آہوں کا دھواں پسند کیا میں نے تمہاری زندگی کے خاکے میں عشرت لازوال کا رنگ بھرنا چاہا تم نے محرومیوں اور سوگواریوں کی سیاہی پھیر دی۔ میں نے تمہیں کامیاب زندگی دینی چاہی۔ تم نے نامرادی کی موت مانگی میں نے خوشی نذر کی تم نے غم اپنایا۔ غم بھی اپنا نہیں دوسروں کا۔ دکھ بھی اپنا نہیں پرایا۔ میں نے تمہارے جسم کو حریر و پرنیاں سے سجانا چاہا تم نے موٹے جھوٹے کی خواہش کی۔ میں نے سونا موتی اور جواہرات مہیا کئے تم نے کانچ کی دو کھنبر چوڑیوں کو غنیمت جانا۔

تم اپنے وطن کی زمین پر بسنے والے بے شمار انسانوں کا دکھ دور نہیں کرسکتی تھیں تم ان کے لئے اچھی غذائیں اور اچھا لباس مہیا نہیں کرسکتی تھیں تم ان کیلئے تعلیمی اور طبی سہولتیں فراہم نہیں کرسکتی تھیں یہ باتیں تو بہت دور کی تھیں۔ تم تو میری۔ اپنے محبوب شریک حیات کی ذہنیت بھی نہیں بدل سکتی تھیں۔ جبھی تو ہار کر تم نے دنیا کا ہر عیش ہر خوشی اپنے اوپر حرام کرلی تھی۔ تم تھیں اور سوگواری۔ تم تھیں اور محرومی۔ تم تھیں اور اداسی یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا تھا۔

میں نے سوچا تھا یہ جوش وقتی۔ یہ ضد عارضی ہے کچھ دن کے لئے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر تم سے کنارہ کشی اختیار کرلوں گا تو تم ٹھیک ہوجاؤ گی اپنی محبت کا باغ اجڑتے دیکھو گی تو دوسروں کی ویرانیاں بھول جاؤ گی۔ اس عمر میں جب انسان ستاروں پر کمندیں ڈالتا اور کہکشاں پر سیڑھی لگاتا ہے۔ جب نام و نمود کی بے قرار خواہش دل میں کروٹیں لیتی ہے اس وقت کچھ کرنے کچھ کر دکھانے کی امنگ ہر دل میں سر اٹھاتی ہے اور اس ماحول میں جہاں قدم قدم پر زندگی نیلام ہورہی ہے جہاں گام گام پر انسانیت سسک رہی ہے۔ جہاں طبقاتی تضاد اتنا نمایاں اتنا واضح ہوچکا ہے کہ اس کو نظر انداز کرنا اس سے منہ موڑنا اب کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں رہی ہے۔ اس عمر اس ماحول میں ایک تم ہی نہیں بہت سے انسان وہی کچھ سوچتے اور اسی انداز سے متاثر ہوتے ہیں جو کچھ تم نے سوچا تھا جس انداز

سے تم متاثر ہوئی تھیں۔

خود میں بھی جب کالج سے نکلا تھا۔ جب اقتدار و اختیار کی باگیں پہلے پہل میرے ہاتھوں میں آئی تھیں تو میں نے بھی بڑے بڑے منصوبے باندھے تھے۔ سوچا تھا ساری دنیا اور تمام ملک کو نہیں تو اپنی بستی کو تو ضرور ہی روائتی باغ ارم کا نمونہ بنادوں گا۔ کم از کم میرے اقتدار کے سائے میں کوئی انسان بھوکا مفلس اور بے روزگار نہیں رہے گا۔ جہاں میں ہوں گا وہاں مفلسی اور جہالت کا نشان ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔ مگر سلمیٰ — یہ راستہ اتنا طویل اتنا کٹھن اور اتنا ایثار طلب تھا کہ میرے قدم ڈگمگا گئے میں تھوڑا ہی آگے بڑھا تھا۔ کہ واپس لوٹ آیا تخیل میں جو کام پھولوں کا بستر نظر آتے تھے۔ وہ حقائق کی دنیا میں کانٹوں کی سیج نکلے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ضمیر کے مقابلے میں عقل نے میری رہنمائی کی اور مجھے یقین ہوگیا کہ اگر میں نے جلدی اپنا راستہ تبدیل نہ کردیا تو تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ میرا دمکتا ہوا رنگ سیاہ پڑ جائے گا اور یہ پلا ہوا جسم سوکھ کر کانٹا ہو جائے گا۔ میں زندگی میں کسی کو سکھ شاید ہی دے سکوں۔ ہاں تمام عمر کے لئے میرا دکھی ہو جانا یقینی ہے میں سوچتا تھا کہ اس زندگی کو اپنانے والا کوئی دیوانہ ہی ہو سکتا تھا۔ وہ دیوانے ہی تھے جنھوں نے دوسروں کے لئے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ انہوں نے اخلاص کی دولت دیکر بقائے دوام حاصل کی تھی۔ وہ بقا وہ ناموری جس کے لیے ہر دل ترستا ہے جس کا ہر دل آرزومند ہوتا ہے اس کے حصول کی تمنا میرے دل میں بھی تھی مگر میں تندرست تھا۔ میرے پاس اخلاص کی دولت نہیں تھی۔

اس لئے سلمیٰ — میری محبوب میں نے ضمیر بیچ کر دنیا کی ہر عزت ہر راحت خریدی اب میں دنیا کی نظروں میں رہنما تھا۔ عالی جاہ اور عزت مآب تھا۔ لوگ میرے بے لوث جذبات اور بلند خیالات کی قدر کرتے تھے وہ میری قوم پروری اور غریب نوازی کے گن گاتے نہ تھکتے تھے۔

مگر تم — جس کی خاطر میری سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوگئی تھیں میں تمہاری نظروں میں رہزن تھا۔ غاصب اور قوم کا دشمن تھا۔ کوئی دوسری عورت ہوتی تو ایسا رفیق حیات پاکر پھولی نہ سماتی اور جس خلوص جس محبت کے ساتھ میں نے اپنی زندگی کی ہر متاع تمہارے قدموں میں لاکر رکھدی تھی۔ وہ محبت وہ خلوص کسی دوسری عورت کو میسر آتا تو وہ کیا کچھ اپنی قسمت پر ناز کرتی۔ کاش تم سلمیٰ کی بجائے کوئی دوسری عورت ہوتیں ایک عام عورت عیش و عشرت کی دلدادہ نمود و نمائش کی بھوکی۔ یا کاش میں ہی تمہاری جگہ کسی دوسری عورت کو منتخب کر سکتا کسی اور کو دل میں بٹھا سکتا خیالوں میں سما سکتا۔ میں نے تمہیں دل سے بھلانے دور کرنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے مگر جتنا بھلانا چاہا ہے اتنی ہی یاد آئی ہو جتنا دور کیا ہے اتنا ہی نزدیک پایا ہے کاش تم سمجھ سکتیں کہ انسان وہ انسان جس پر تم نے خود مختاری کی تہمت لگائی تھی حالات کے ہاتھوں کتنا مجبور کتنا بے بس ہے وہ موت مانگتا ہے تو زندگی ملتی ہے۔ زندگی سے چمٹتا ہے تو موت کو اپنے اوپر مسلط پاتا ہے۔ ہم سب مجبور ہیں۔ ہم سب بے بس ہیں ہم مٹی کے حقیر اور بے جان کھلونے ہیں ایک بے نام طاقت ہے جو ہم سے کھیل رہی ہے۔ ہمیں بنا بگاڑ رہی ہے ہماری شکست و ریخت میں مصروف ہے اس کے نزدیک ہمارے جذبات و احساسات کوئی قیمت نہیں رکھتے۔ اس کو ہماری خوشی اور ہمارے غم کی کوئی پرواہ نہیں ہے وہ ہمارے سود و زیاں سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔

مگر ان حقائق کو تم کس طرح سمجھ سکتی تھیں یہ تو مجھ پر بھی آج روشن ہوئے ہیں آج جب تم چند ماہ سینی ٹوریم میں رہ کر میرا ساتھ چھوڑ گئی ہو جب ایک انجانی طاقت کے ہاتھوں میری زندگی کا بنا بنایا کھیل بگڑ چکا ہے۔ جب وقت کی ایک ہی کروٹ نے میری ذہنیت میں انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے آج جب میرا حال۔ میرا مستقبل تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے میں جذبات سے مغلوب ہو کر پر اُمید نگاہوں سے ماضی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ میں اسے واپس لانے کی تمنا کر رہا ہوں مگر تیر جو کمان سے چھوٹ چکا ہے — وقت جو ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ اب کوئی طاقت۔ کوئی معجزہ کوئی کرامت اسے واپس نہیں لا سکتی۔ آج تم ہوتیں تو تمہیں اپنی مجبوری اپنی بے بسی کا نقشہ دکھاتا۔ اپنی لغزشوں اور اپنی ناکامیوں کی داستان سناتا۔ میں تمہیں بتاتا کہ وہ دن۔ ہماری مشترکہ زندگی کا وہ ایک اہم دن جو بظاہر ایک معمولی اور غیر اہم دن تھا۔ اب میری زندگی میں کس قدر اہمیت اختیار کر گیا ہے دنیا میں اس کے بعد بہت سی راتیں۔ بہت سے دن۔ بہت سی صبحیں اور بہت سی شامیں آئیں گی۔ لیکن میری زندگی میں اب دوسرے دن کا سورج نہیں ابھرے گا۔ سہانی راتیں کیف باری نہیں کریں گی۔ چاند ستارے نور نہیں برسائیں گے۔ میری زندگی میں اب ہمیشہ وہی بے رحم دن ہوگا اور وہی جھلسا دینے والی دھوپ اس وقت بھی میں تمہارے کمرے کے دریچے سے لگا ہوا کھڑا وہی ایک منظر دیکھ رہا ہوں وہی جانگسل وہی روح فرسا منظر جس نے تمہاری زندگی کا چراغ بجھا دیا۔ جس نے میری زندگی میں اندھیرے بھر دیئے۔

آج میری پلکیں نم ہیں میرا چہرہ بجھا ہوا ہے اور میری روح میرا دل ایک نامعلوم بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے اس دن ہمارا دیس بھوکا تھا۔ بھوکوں کے قافلے چاروں طرف سے ہماری کوٹھی کے سامنے اپنے دکھ کا مظاہرہ کرنے کے لئے امڈے ہی چلے آرہے تھے۔ دھنسی ہوئی آنکھوں بڑھے ہوئے پیٹوں اور سوکھے سوکھے ہاتھ پیروں والے بھیانک انسانی ڈھانچے۔ اس دن تم اس دریچے میں اس جگہ کھڑی ہوئی تھیں۔ یہیں کھڑی ہو کر تم نے مجھ سے ان قحط زدوں کی سفارش کی تھی۔ مجھے ذخیرہ اندوزی اور مفاد پرستی کے طعنے دیئے تھے۔ میری زندگی کی دو عملی پر روشنی ڈالی تھی۔ اور میں جھنجھلا اٹھا تھا میں برہم ہو گیا تھا میں نے بڑی بے رحمی بڑی سفاکی کے ساتھ تمہاری اپیلیں تمہاری سفارشیں مسترد کر دی تھیں اور تمہاری خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے شفاف قطرے تمہارے زرد اداس چہرے پر بہہ نکلے تھے۔ اس دن تم نے ماضی کی بہت سی داستانیں دہرائی تھیں۔ وہ کالج کا زمانہ۔ وہ عزم و عمل کی باتیں وہ ہم خیالی اور ہمنوائی جب ہم دونوں نے ملکر ایک خوش آیند انقلاب کے خواب دیکھے تھے۔ پر اس وقت جب تم ان خوابوں کی تعبیر مانگ رہی تھیں میں خاموش تھا۔ میں سرنگوں تھا۔ میں تم سے کیسے کہہ دیتا کہ مجھے زندگی سے پیار ہے میں آرام طلب اور عیش پسند ہوں میں زبان سے بہت کچھ کہہ سکتا ہوں مگر عملی طور سے مجھ سے کچھ نہ ہوگا میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ مگر تمہارے سامنے اپنے کردار کی کمزوریوں کا اعتراف بھی آسان نہ تھا۔ میں نے حسب معمول پھر دلائل کا سہارا لیا۔ دلائل — جو ہر انسان کی عقل اس کے برے افعال کے جواز میں گھڑا کرتی ہے۔ میری عقل بھی گھڑ رہی تھی۔ میں دیر تک تمہیں سیاسیات کے پیچ و خم اور کاروبار کی اونچ نیچ کے متعلق سمجھاتا رہا۔ دنیا میں اپنی جگہ بناتے۔ اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے انسان کو کبھی کبھی لاشوں پر سے بھی گذرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں بڑی بڑی حکومتیں آجکل یہی کچھ کر رہی ہیں۔ میں نے طرح طرح سے یہ بات تمہارے ذہن نشین کرنی چاہی۔ مگر تم روتی رہیں آنسو مسلسل تمہارے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ آنسو پانی کے وہ بے حقیقت قطرے جنہیں تم نے اپنے آنچل سے خشک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی جنہیں میں نے اپنے دامن کے لائق نہیں سمجھا تھا۔ آج انکی یاد دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح دل میں دہک رہی ہے میرا سارا وجود جل اٹھا ہے اس دن خدا معلوم مجھے کیا ہو گیا تھا ضد اور غصے نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ حرص و ہوا نے میری سمجھ بوجھ پر پردے ڈال دیئے تھے۔ ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ تم روتی رہتیں اور میں کاروبار کی ترقی پر خوش ہوتا رہتا تم میری کشیدگی اور دیس کی زبوں حالی کے غم میں گھلتی رہتیں اور میں بینک بیلنس بڑھانے میں مصروف رہتا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میرے اقتدار کے سائے میں ان گنت قیمتی جانیں بھوک کا شکار ہو جاتیں اور مجھ پر اثر نہ ہوتا — آج سوچتا ہوں تو رواں رواں احساس گناہ کے زیر اثر لرز اٹھتا ہے آج میں سراپا اعتراف بنا ہوا ہوں تم گھڑی بھر کے لئے بھی سامنے آؤ تو اپنی ساری غلطیوں اور ساری خطاؤں کا اعتراف کر لوں۔ میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے حصول اقتدار کی خاطر سادہ لوح انسانوں کو کیسے کیسے سبز باغ دکھائے ان کے سامنے کیسی کیسی رنگین امیدوں کے باغ سجائے اور جب میری چرب زبانی اور میری ظاہرہ خیر خواہی سے

متاثر ہو کر انہوں نے اپنا مستقبل میرے ہاتھ میں دیدیا تو میں نے ان کی غیرتیں انکی عزتیں اور ان کی زندگیاں سربازار نیلام کر دیں ان کے سرمائے سے اپنے تجوریاں بھر لیں۔ میرا کاروبار روز بروز پھیلتا گیا وہ بیکاری اور مفلسی کا شکار ہونے گئے مجھ پہ خدا کی زمین وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی اور وہ کھلی فضا میں سانس لینے کو ترس ترس گئے مگر تم تو جن تھوڑے بہت حالات سے واقف ہوئی تھیں انہیں کو برداشت نہیں کر سکیں۔ احساس کی وہ دھیمی دھیمی آنچ جس میں تم مدتوں سے سلگ رہی تھیں ایک بار ہی بھڑک اٹھی۔ اور جب میری آنکھیں کھلیں اور جب میں تلافی مافات کیلئے آمادہ ہوا تو تمہارا نازک جسم خاکستر ہو چکا تھا...... کاش میں تمہیں اتنا ہی بتلا سکتا کہ ہزار اختلافاتِ فکر و نظر کے باوجود تم میری زندگی کی راحت ہو میں تم سے جدا ہو کر خوش نہ رہ سکوں گا۔ تمہیں کھو کر سکوں نہ پا سکوں گا...... تم تھیں تو زندگی ایک عجیب کھیل بنی ہوئی تھی۔ تم روٹھ گئی ہو تو وہ ایک سنگین حقیقت بن گئی ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی رنجشیں جو کبھی دل لگی تھیں آج ان کی یاد نشتر بن گئی ہے۔ دل کی ایک ایک رگ میں کتنے کتنے نشتر پیوست ہیں کیا بتاؤں اور کسے بتاؤں.....؟ میں ساری عمر اپنے ہی جیسے انسانوں کے جذبات پہ بجلیاں گراتا رہا ہوں۔ ان کے ارمانوں اور آرزوؤں کو اپنے مفاد اور خود غرضی کے پیروں تلے کچلتا رہا ہوں۔ روندتا رہا ہوں۔ میں نے انکی روحوں کو پامال کیا ہے۔ ان کے جسموں کو کچلا ہے۔ میں نے ان کی بہار عمل سے اپنی زندگی کا چمن سجایا ہے۔ ان کے گاڑھے خون اور مقدس پسینوں سے اپنی زندگی کا باغ سینچا ہے۔ میں نے انسانیت کے جسم پر بڑے بڑے گھاؤ لگائے ہیں بڑے بڑے کچوکے دیئے ہیں میں نے خود ہی زخم لگائے ہیں خود ہی نمک چھڑکا ہے۔ اب اپنے دل کے زخموں کے لئے کس سے مرہم لینے جاؤں۔ میرا درد کون سنے گا میرے حال پر کون آنسو بہائے گا۔ کس کو یقین آئے گا۔ کہ کل تک جو سب سے زیادہ خوش نصیب تھا۔ آج سب سے زیادہ بدبخت سب سے زیادہ بدنصیب ہو گیا ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے میں زندگی کے بھرے بازار میں تن تنہا کھڑا ہوں۔ یہاں میرا کوئی ساتھی۔ کوئی دوست کوئی ہمدرد نہیں ہے۔ میری بصارت زائل ہو گئی ہے۔ میری گویائی سلب ہو چکی ہے۔ میری طاقت جواب دے گئی ہے میرا ہاتھ کون تھامے گا۔ میرے ناتواں جسم کو کون سہارا دے گا۔ گونگے کی پکار کون سنے گا۔ میں کس کی طرف ہاتھ بڑھاؤں۔ کسے دیکھوں۔ کسے پکاروں۔ میں مجرم ہوں۔ میں قاتل ہوں میں کس عدالت سے انصاف طلب کروں کس منصف سے ضمانت کی امید رکھوں۔ اب میرا ساتھ کون دے گا۔؟؟ قاتل کو کس نے پناہ دی ہے۔ مجرم کی کس نے ضمانت کی ہے......؟ تم ہوتیں تو تمہارا مقدس وجود ضمیر کی اس دار و گیر کے آگے سپر بن جاتا۔ تمہارے پاکیزہ آنسو روح سے گناہوں کی آسودگی دھو ڈالتے۔ تمہارا معصوم تبسم زخموں کو ڈھارس بندھا دیتا۔ آج تمہیں کھو کر تمہاری قدر و قیمت تمہاری اہمیت کا اندازہ ہو رہا ہے۔

تم بڑی خوبیوں کی مالک تھیں سلمیٰ۔ تم میں بڑی صلاحیتیں تھیں۔ تم قوموں کی قسمتیں بدل سکتی تھیں۔ تم فوجوں کی قیادت کر سکتی تھیں۔ تمہاری جیسی عورتیں بار بار پیدا نہیں ہوتیں روز روز جنم نہیں لیا کرتیں۔ کاش میں تمہارے اونچے ارادوں کی راہ میں حائل نہ ہوتا کاش میری محبت تمہارے بلند عزائم کو بیڑیاں نہ پہنا دیتی۔

دیکھو آج میں کتنا پشیمان ہوں مجھ پر کس طرح تاریکیوں اور ظلمتوں نے یورش کر دی ہے میں کب سے اپنے ہی گناہوں کے گھنے اندھیروں میں گھرا کھڑا ہوں سلمیٰ—! تمہارے آنسوؤں کے چراغ وقت کے کونسے کہرے میں چھپ گئے ہیں۔ انہیں ایکبار پھر روشن کر دو۔ ایک بار پھر میری راہیں اجال دو۔

وہ راہیں جن میں کبھی تمہارے نقش قدم روشن تھے انہیں حالات کی تند و بیرحم آندھیوں نے دھندلا دیا ہے۔ یہ آندھیاں آج تم سے بچھڑ کر اور بھی تند اور بھی پرشور ہو گئی ہیں۔ ایک غبار ہے جو زمین سے آسمان تک میری کائنات پہ چھایا ہوا ہے۔ ایک دھند ہے جس میں میرا وجود میری روح۔ میری زندگی لپٹی چلی جا رہی ہے۔ میرا حال میرا مستقبل سب کچھ اس کی لپیٹ میں آگیا ہے اب یہ غبار کس کے آنسوؤں سے دھلے گا! اس دھند میں کون امیدوں کے چراغ جلانے آئے گا—؟

اری ٹیریا

فیصلہ کیا ہے کہ ہم حبشہ کی معیشت کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر طرح کے وسائل استعمال کریں گے۔ علی نے دانت بھینچتے ہوئے ہوا میں اپنا بایاں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم ہم اپنی کشتیاں جلا چکے ہیں۔ اری ٹیریا کی آزادی کی خاطر ہم اپنی جانوں کی بازی لگانے کا عزم کئے ہوئے ہیں اور دنیا دیکھے گی کہ ہمارے قدم اس راہ میں کبھی نہیں ڈگمگائیں گے"!

جب اری ٹیریا کے اس جیالے مجاہد کو روم میں اس کے ایک ہم وطن نوجوان کی آتش گیر مادہ پھٹ جانے کے حادثہ میں موت کی خبر سنائی گئی تو اس کا چہرہ دفعتہً افسردہ ہو گیا سب نے اس واقعہ پر تبصرہ کرنے سے عمداً گریز کیا۔ البتہ علی نے اپنے وطن کی آزادی کا ذکر دوبارہ شروع کر دیا اور اپنی آسان نیم انگریزی میں بتایا کہ اس کے وطن سے صریحاً دھوکہ ہوا ہے اری ٹیریا کو حبشہ کے حوالے کر کے دنیا سو گئی اور اس نے کبھی بھول کر بھی اری ٹیریا کی انسانی مخلوق کا حال نہ پوچھا۔

علی عبداللہ نے کہا کہ شاہ ہیل سلاسی بھول رہے ہیں کہ اری ٹیریا کا مسئلہ خود ارادیت کا مسئلہ ہے اری ٹیریا کا ایک انفرادی قومی وجود ہے اطالیہ اور برطانیہ کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ ایک قوم کو دوسری قوم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں چنانچہ گذشتہ ۸ سال سے اری ٹیریا کی قوم اپنی آزادی کے لئے کوشاں ہے مقام افسوس ہے کہ اس قوم کے جذبۂ حریت کی طرف آج تک اس ادارے نے بھی کوئی توجہ نہیں دی جو شب و روز قوموں کے حق خود ارادیت پر اپنے ایمان کا تحریر و تقریر سے اقرار کرتا ہے ہمیں اقوام متحدہ سے بہت سی شکایتیں ہیں۔

اس کے بعد چھریرے بدن کے علی عبداللہ نے اس زندگی کی ہولناک تصویر پیش کی جو اہل اری ٹیریا حبشہ کی محکومی میں گزار رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ پاکستانی قوم جان لے کہ "ہم حبشہ کے ظلم و ستم بربریت اور بے ایمانی کے بدترین شکار ہیں"

"ہماری قوم کو تہ تیغ کیا جا رہا ہے ہمارے گھر جلائے جا رہے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں حبشہ والوں نے دو ہزار گھر نذر آتش کئے۔ انہیں چن چن کر بارود سے اڑایا گیا۔ تقریباً ۳۳ ہزار لوگ ظلم و ستم سے گھبرا کر سوڈان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔" علی نے اقوام متحدہ کے رویہ پر تنقید کی اور کہا کہ تنظیم برائے افریقی اتحاد تک اری ٹیریا کے معاملہ میں مجرمانہ انداز میں خاموش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افریقی عوام کی تمام تنظیموں کی افادیت کو شاہ ہیل سلاسی صرف حبشی قوم تک محدود رکھنا چاہتے ہیں لہذا اری ٹیریا کی قوم ان تنظیموں سے بے نیاز ہو کر خود ہی غلامی کے جوئے کو گلے سے اتارنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ اری ٹیریا کا محاذ آزادی اپنے وطن کو آزادی کی نعمت دلا کر رہے گا"

اری ٹیریا کے قومی محاذ آزادی نے اعلان کیا ہے کہ محاذ کے آٹھ ہزار حریت پسند ایتھوپیا کی اینٹ سے اینٹ بجا دینگے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک وہ اپنے وطن کو آزاد نہ کرا لینگے۔ چین سے اسلحہ سے بھرے ہوئے دو جہاز انہیں مل گئے ہیں اور تمام حریت پسندوں کو جدید اسلحہ سے لیس کر دیا گیا ہے۔ ہم گذشتہ سات سال سے ایتھوپیا کی فوجوں کے حملوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اب بہت جلد جنگ کا پانسہ پلٹ جائیگا اور حریت پسندوں کی فتح ہو گی۔

(تہذیب، ترتیب و تلخیص)

خبر نامہ

ڈپٹی چیف مارشل لا ایڈمنسٹر جناب نور خان صاحب کی خدمت میں

قومی مزدور محاذ مغربی پاکستان کی یادداشت

پاکستان میں تمام تر مزدور قوانین حقیقت میں اس برصغیر میں برطانوی دور اقتدار کے سامراجی عہد کے آجر و اجیر کے تعلقات کا ورثہ ہیں۔ اس تعلق کا ڈھانچہ محنت کش طبقے پر انتظامیہ کے تشدد اور دباؤ پر رکھا گیا تھا۔ بعد میں ہونے والی کچھ ترامیم کے باوجود بھی ان قوانین کی بنیاد وہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مزدوروں اور انتظامیہ میں ابتک کوئی حقیقت پسندانہ تعلق پیدا نہیں ہوا ہے۔

تمام مزدور قوانین کو وقت کی ضرورتوں کے مطابق بنانے کے واسطے ان پر نظر ثانی کرنیکے لئے ایک سہ فریقی مزدور کمیشن فوری طور پر قائم کیا جانا چاہئے۔ جو مزدوروں، آجروں اور حکومت کے مساوی نمائندوں پر مشتمل ہو اور جس کا سربراہ سپریم کورٹ کا جج ہو۔ یہ کمیشن اپنے قیام کے تین ماہ کے اندر اندر اپنی تحقیقات مکمل کرکے اپنی رپورٹ اور سفارشات پیش کرے۔ مزدور یونینوں، فیڈریشنوں اور فیڈریشن آف کامرس اور انڈسٹری کو بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کرنیکی دعوت دی جائے۔ مزدور قوانین میں اس طرح سے ترمیم کی جائے یا نئے مزدور قوانین بنائے جائیں کہ وہ بین الاقوامی ادارۂ محنت کے حکومت پاکستان کے منظور کردہ سفارشات کی مطابقت میں آجائیں۔ مثلاً ہڑتال اور اجتماعی سوداکاری کا حق تقریر و اجتماع کی آزادی اور دوسرے حقوق۔

مندرجہ ذیل سفارشات بھی خصوصی توجہ کیلئے پیش کیجارہی ہیں۔

ٹریڈ یونین سرگرمیاں

ٹریڈ یونینوں کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ اور جن سرگرمیوں کی موجودہ قوانین کے تحت اجازت ہے ان میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے

جس ادارے یا صنعت میں دو یا دو سے زائد یونینیں ہوں وہاں رائے شماری کرائی جائے اور جس یونین کے ساتھ اکثریت ہو اسی کو کام کرنیکی اجازت ہونی چاہئے۔

انتظامیہ کی طرف سے کسی بھی قانونی خلاف ورزی، مداخلت، یا ناجائز برتاؤ کے خلاف یونین یا فیڈریشن کو براہ راست کسی بھی عدالت سے رجوع کرنے کا حق ہونا چاہئے۔

صنعتی تنازعات

صنعتی تنازعات کے سلسلے میں لازمی مصالحت۔ تصفیہ اور ثالثی کا طریقۂ کار ختم کردیا جائے۔

لازمی ملازمت کا قانون کالعدم قرار دیا جائے۔

مفاد عامہ اور غیر مفاد عامہ کی ملازمتوں میں امتیاز ختم کیا جائے اور مطالبات کے نوٹس کے لئے ۱۴ دن کے طریقۂ کار کو سب جگہ کیلئے لاگو قرار دیا جائے۔

تصفیکی کارروائی مطالبات کا نوٹس دئے جانیکے ساتھ ہی شروع ہونی چاہئے۔

مزدوروں کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ نوٹس کی مدت گزرنے پر صنعتی عدالت سے رجوع کریں یا ہڑتال کریں۔

مقدمات کی کارروائی تسلسل کے ساتھ ہونی چاہئے اور ان پر فیصلے جلد ہوں۔

کم از کم اجرتیں

مزدوروں کو تین خانوں میں تقسیم کیا جائے

۱۔ غیر ماہر مزدور۔

۲۔ نیم ماہر مزدور

۳۔ ماہر مزدور

غیر ماہر مزدور کے لئے کم از کم اجرت ۔/۱۵۰ روپے، نیم ماہر کے لئے ۔/۲۵۰ روپے اور ماہر مزدور کیلئے ۔/۴۰۰ روپے مقرر کی جائے۔ سال ۱۹۶۹ء کو اس کم از کم اجرت کے لئے بنیاد کے طور پر رکھا جائے۔

کم از کم اجرتوں پر تین سال میں نظر ثانی کی جائے۔

درمیان کی مدت میں، مزدوروں کو خود بخود یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ کم از کم

اجرت مقرر ہونیکے سبسے آخری سال کے مقابلے میں ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافے کے تناسب سے تنخواہوں میں اضافہ کرا سکیں۔

کم از کم اجرتوں کا بورڈ لازمی طور پر مزدوروں، آجروں اور حکومت کے مساوی نمائندوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔

اوقات کار

تمام صنعتی و تجارتی اداروں میں زیادہ سے زیادہ اوقات کار ۴۴ گھنٹے فی ہفتہ مقرر کئے جانے چاہئیں۔ اوور ٹائم کا معاوضہ عام اجرت سے دوگنا مقرر کیا جانا چاہئے۔

تحفظ ملازمت

اسامی کے ختم ہونے کے علاوہ کسی صورت میں بھی ملازمت سے برطرفی برخواستگی۔ علیحدگی نہیں ہونا چاہیے۔ بد اطواری کے سلسلے میں ہر قصور کے لئے اس کی سزا بھی مقرر ہونی چاہئے۔

محکمہ جاتی تحقیقات کے خلاف صنعتی عدالت کو سماعت اور فیصلے کا اختیار ہونا چاہئے۔

سماجی تحفظ کی اسکیم

سماجی تحفظ کی اسکیم کے لئے کل تنخواہ کا ۵ فیصدی آجروں سے وصول کیا جائے اور مزدور سے اس اسکیم میں چندہ دینے کو نہ کہا جائے۔

یہ اسکیم مزدوروں اور ان کے زیر کفالت افراد کو تحفظ دے۔

اس اسکیم سے فائدہ اٹھانیکے لئے مستقل، عارضی، وقتی، آزمائشی، زیر تربیت یا موسمی مزدوروں کا امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

ایک مزدور کے علاج کیلئے درخواست کرنیکے وقت سے لیکر کام کرنے کے قابل قرار دئے جانے کے وقت تک اس کی تنخواہ کا ٪ ۵۰ ادا کیا جانا چاہئے۔

اہلیت کار میں (حادثے کے نتیجے) ایک فیصد کمی کا بھی معاوضہ دیا جانا چاہئے

اس اسکیم کی مد میں مزدور کو ادائیگی متعلقہ مل یا ادارہ کے ذریعہ کی جانی چاہئے

سوشل سیکوریٹی اسکیم کی مجلس انتظامیہ میں مزدوروں، آجروں اور حکومت کے برابر نمائندے ہونے چاہئیں۔

معاوضہ

معاوضہ کی شرح میں ٪ ۴۰۰ کا اضافہ ہونا چاہئے۔

حادثے کی تاریخ سے علاج کی رقم بمعہ کرایہ آمد و رفت اور تنخواہ کا ٪ ۷۵ زیر علاج مدت تک مزدور کو دینا چاہئے اور اس کی معاوضہ یا تنخواہ کی یک مشت رقم میں سے کوئی کٹوتی نہیں کی جانی چاہئے۔

حادثے کی صورت میں تمام مزدوروں کو معاوضے کا مستحق قرار دیا جانا چاہئے چاہے وہ ادارہ جس میں وہ کام کرتے ہیں کتنا ہی چھوٹا یا بڑا کیوں نہ ہو

تمام کیسوں پر تین ماہ کے اندر اندر فیصلہ ہو جانا چاہئے۔

پے منٹ آف ویجز ایکٹ

یہ ایکٹ ان ملازمین پر بھی لاگو ہونا چاہئے۔ جو ۶۰۰/- روپے ماہوار تک پاتے ہیں۔

ہاؤسنگ

زیر کار کردگی سرمایہ کی ایک مخصوص شرح فیصد مزدوروں کیلئے مکانات کی تعمیر کے لئے مقرر کرنی چاہئے۔

ایک ورک مین ہاؤسنگ ایجنسی قائم کی جانی چاہئے جس میں کہ اس طرح سے جمع کی ہوئی رقم پول کی شکل میں رہے اور مکانات صنعت وار بنائے جائیں۔ جس میں کہ مزدور کے لئے کچھ ضمانت ہو۔

بونس

ایک مستقل بونس کمیشن ہونا چاہئے جو کہ منافع کی رقم اور ادا کی جانے والی اجرت اور زندگی کیلئے ضروری اجرت کے فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر سال صنعت وار بونس کا اعلان کیا کرے۔

نفع کے حصص

منافع کا کم از کم ٪ ۲۵ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے مثلاً بچوں کی تعلیم، کم قیمتوں کی دکانیں پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ میں contribute کرنا ہر ادارے کیلئے لازمی قرار دیا جائے۔

عام

صنعتی مزدوروں کو مہیا کی جانیوالی سہولتوں کا دائرہ تجارتی اداروں اور دکانوں میں کام کرنیوالے مزدوروں تک بڑھانا چاہئے۔

نوٹس ملنے کے بعد کسی بھی شکل میں فروخت، منتقلی، یا ملکیت کی تبدیلی غیر قانونی قرار دی جائے اور ملازمت کا تسلسل اور حالات کار میں تبدیلی بھی غیر قانونی قرار دی جانی چاہئے۔

ایسے تمام معاہدے جو مزدوروں اور آجر کے درمیان براہ راست طے ہوئے ہوں، دستخط ہونے کے بعد سے دو سال سے زائد عرصے نہیں رہنے چاہئیں۔

تمام دوسرے معاہدات Awards کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت ایک سال مقرر کی جانی چاہئے۔

گریجویٹی کا نام تبدیل کر کے صلہ خدمت Service Reward رکھا جانا چاہئے۔ اور اسے مزدور کا ناقابل تنسیخ حق قرار دیا جانا چاہئے اور ملازمت سے علیحدگی کی کوئی بھی صورت اس حق پر اثر انداز نہیں ہونی چاہئے۔

سہ فریقی لیبر کانفرنس میں قومی مزدور محاذ کے کنوینر جناب طفیل عباس کی تقریر

۱۵، ۱۶ اور ۱۷ مئی سنہ ۱۹۶۹ء کو حکومت پاکستان نے کراچی میں ایک سہ فریقی لیبر کانفرنس بلائی تھی۔ جس میں پاکستانی مزدوروں، آجروں اور حکومت کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس قسم کی کانفرنس میں مختلف الخیال مزدور کارکنوں کو بلایا گیا تھا۔ اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ مزدوروں کیلئے کم از کم تنخواہ مقرر کرنے، ان کے حالات کار بہتر بنانے انکے مزدور قوانین بنانے صنعتی پیداوار میں اضافہ کرنے آجر و اجیر کے تعلقات بہتر بنانے وغیرہ کے سلسلے میں مختلف فریقوں کی تجاویز اور ان کے موقف سامنے لائے جائیں اور پھر حکومت ان تجاویز کی روشنی میں اپنی لیبر پالیسی مرتب کرے۔ اس کانفرنس کی صدارت مرکزی وزارت محنت کے سکریٹری جناب اے ایم کے احسن نے کی تھی اور آخری دن اس کانفرنس کی مختلف کمیٹیوں سے ڈپٹی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور صدر کی انتظامیہ کونسل کے رکن جناب ایئر مارشل نور خاں نے خطاب کیا تھا۔ اس کانفرنس میں خطاب کرنیکے لئے جن مقررین کی فہرست تیار کی گئی تھی اس میں مزدور نمائندوں کی طرف سے بولنے کیلئے لیبر ڈپارٹمنٹ نے انھیں پرانے لوگوں کے نام دئے تھے جو ہمیشہ ایسی کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں اس بات پر قومی مزدور محاذ کے کنوینر جناب طفیل عباس نے اور دوسرے مزدور رہنماؤں نے اعتراض کیا اور کانفرنس کے منتظمین پر یہ بات واضح کی کہ ترقی پسند اور صحت مند سوچ رکھنے والے مزدور نمائندوں کا موقف سامنے آئے بغیر اس کانفرنس کی کوئی افادیت نہیں ہوگی۔ کانفرنس کے منتظمین نے اس بات کو تسلیم کیا اور مقررین کی فہرست میں مناسب تبدیلیاں کیں۔ اس کانفرنس میں مشرقی پاکستان کے مزدور رہنما محمد طہٰ اور قومی مزدور محاذ کے کنوینر جناب طفیل عباس نے بھی خطاب کیا۔

طفیل عباس صاحب نے اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم ملک کے محنت کش طبقے کے سلسلے میں حکومت کی پالیسیوں سے اختلاف کے باوجود اس کانفرنس کو ایک آگے بڑھا ہوا قدم قرار دیتے ہیں۔ یہ کانفرنس کہاں تک کارآمد ثابت ہوگی یہ تو اس کے فیصلوں پر عملدرآمد ہوتے وقت ہی معلوم ہوگا۔

طفیل عباس صاحب نے کہا اس ملک کا محنت کش طبقہ مزدور اور کسان جو اکثریتی طبقہ ہے جس نے اس ملک کی تعمیر کرنے میں اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے اور جس کی محنت کے نتیجے میں گزشتہ بائیس سال میں یہ ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے لیکن اس انقلابی اور اکثریتی طبقے کی حالت آج اس سے کہیں زیادہ خستہ ہے جو بائیس سال پہلے تھی، مزدوروں کے مسائل آج پہلے سے بھی زیادہ سنگین ہیں — جن کو حل کرنیکے لئے اس سے پہلے بھی کتنی ہی بار لمبے چوڑے اعلانات کئے گئے ہیں، لیکن ہر بار معاملہ وہیں کا وہیں رہا اور مزدوروں میں بے چینی روز بروز بڑھتی ہی گئی — اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ملک کی حکومتوں اور سرمایہ داروں کو نہ تو ملک کی ترقی سے دلچسپی ہے اور نہ ملک کو ترقی دینے والے محنت کش طبقے کے حالات کار سے۔

طفیل صاحب نے کہا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ برطانوی سامراج کی بدترین غلامی کے دور میں بھی مزدوروں کو جو تھوڑے بہت حقوق حاصل تھے آج اس آزاد اسلامی مملکت میں وہ بھی میسر نہیں ہیں۔ آج کے مزدور قوانین برطانوی سامراجیوں کے دئے ہوئے مزدور قوانین کے مقابلے میں انتہائی ناقص ہیں اور دراصل مزدوروں کے نام پر جابر و ظالم سرمایہ داروں ہی کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ ان ناقص ترین مزدور قوانین میں بھی جہاں کہیں مزدوروں کے فائدے کی کوئی بات نکل آتی ہے تو اس کی کسر یہاں کا لیبر ڈپارٹمنٹ پوری کر دیتا ہے جو دراصل اس ٹھیٹ جاگیردارانہ و نوکرشاہی ذہنیت کا شکار ہے جو اسے برطانوی سامراج سے ورثے میں ملی ہے اور جس کو امریکی سامراج اور اس کے مقامی نمائندوں نے پروان چڑھایا ہے

طفیل عباس صاحب نے بتایا کہ گزشتہ بائیس برس میں یہاں حکومت اور سرمایہ داروں نے صحت مند مزدور تحریک کی راہ میں ہمیشہ روڑے اٹکائے ترقی پسند کارکنوں کو جیلوں میں ڈالا گیا اور انھیں طرح طرح سے تنگ کیا گیا تاکہ وہ مجبوراً مزدور تحریک سے الگ ہو جائیں۔ لیبر ڈپارٹمنٹ نے مخلص، ایماندار اور ترقی پسند سوچ رکھنے والے مزدور نمائندوں سے تعاون کرنیکے بجائے جعلی لیڈرشپ اور جی حضوریوں کا گروہ پیدا کیا ہے اور زبردستی اور سازشی انداز میں مزدوروں پر ان کی قیادت ٹھونسی ہے۔ اس طرح ایک طرف تو مزدور تحریک پر موقعہ پرستوں اور سامراجی ایجنٹوں کا تسلط ہو گیا اور دوسری طرف یہ تحریک نئے خون سے محروم ہو گئی۔ بہرحال اب بھی وقت ہے کہ ان غلطیوں کا ازالہ کر لیا جائے۔ مزدوروں کو انجمن سازی کی مکمل آزادی دی جائے۔ انھیں ہڑتال کا حق دیا جائے اور ان کے لئے بہتر مزدور قوانین بنائے جائیں۔

طفیل عباس صاحب نے کہا کہ پاکستان میں سرمایہ داروں کے بھی مختلف طبقے ہیں۔ ایک وہ سرمایہ دار جن کے مفادات غیر ملکی سامراج سے وابستہ ہیں اور جنھیں پاکستان اور پاکستانی عوام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے دوسری طرف قومی سرمایہ دار جو ملک کی تعمیر و ترقی کا جذبہ بھی رکھتا ہے اور ملک سے غیر ملکی سامراج کا تسلط بھی ختم کرنا چاہتا ہے سامراجی لوٹ کھسوٹ سے نہ صرف پاکستانی عوام اور محنت کش طبقہ پریشان ہے بلکہ یہاں کے قومی سرمایہ دار کو بھی پنپنے کا موقع

نہیں مل رہا۔ اس لئے جاگیرداری کے یکسر خاتمے کے ساتھ ساتھ اجارہ دار اور غیر ملکی سرمایہ کاری کو بھی ختم کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے نہ صرف عوام الناس کی مشکلوں میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ محب وطن قومی سرمایہ دار بھی کچلا جا رہا ہے ایسے حالات پیدا کرنے کی ضرورت ہے جن میں قومی سرمایہ دار زیادہ آزادی اور خود اعتمادی کے ساتھ سرمایہ کاری کر سکے۔ اجارہ داری اور غیر ملکی سرمایہ ہماری قومی صنعت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہی اس ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور لوٹ کھسوٹ کی ذمہ دار ہے۔ اجارہ داری اور غیر ملکی سرمایہ کے خلاف جد و جہد میں قومی سرمایہ دار کو ملک کے محنت کش طبقوں ۔مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ اتحاد کرنا چاہئے کیونکہ صرف اسی راستے پر چل کر ہمارے ملک کے عوام سربلند ہو سکتے ہیں۔

طفیل عباس صاحب نے بتایا کہ پی آئی اے کے مزدوروں کی تنظیم ایئر ویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ اپنی ترقی پسند قیادت اور پالیسی کی وجہ سے واضح طور پر بائیں بازو کی یونین ہے، مختلف حکومتوں کی طرف سے ہمیں مستقل ملک دشمن، تخریب پسند اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا رہا اور کتنی ہی بار ہمیں ان الزامات کے تحت قید بھی کیا گیا۔ لیکن یہ یونین اپنی صحیح اور ترقی پسند پالیسی پر کاربند رہی اور پی آئی اے کی انتظامیہ سے اصولی اتحاد کی بنیاد پر مزدوروں کے مسائل حل کراتی رہی۔ قومی سرمایہ داروں کے ساتھ ہمارے اسی اصولی اتحاد کی وجہ سے ہی دوسرے تمام صنعتی و تجارتی اداروں کے مقابلے میں پی آئی اے کے ملازمین کے حالات کار بھی بہتر رہے ہیں اور یہاں کا صنعتی امن برقرار رہا ہے۔ مزدوروں کے مسائل پر خوشگوار ماحول میں بات چیت ہوتی ہے۔ اگر پاکستان کے تمام قومی سرمایہ دار اپنی سوچ میں اسی بنیاد پر تبدیلی پیدا کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ صورتحال میں خوشگوار تبدیلی پیدا نہ ہو۔ اور ملک غیر ملکی سرمائے کے تسلط سے آزاد ہو جائے اور قومی سرمایہ دار بھی ملک کی ترقی میں اپنا کردار صحیح طور پر ادا کر سکے اور ساتھ ہی ملک کا اکثریتی طبقہ اپنا تاریخی انقلابی کردار ادا کر سکے۔

آخر میں طفیل عباس صاحب نے کہا کہ مزدور اور کسان اس ملک کی آبادی کا پچانوے فیصد حصہ ہیں ــ جب تک اس اکثریتی طبقے کو جاگیردارانہ و اجارہ دار سرمایہ دارانہ نظام کی زنجیروں سے آزاد نہیں کرایا جائے گا۔ جب تک اس طبقے کو اس کا وہ حق نہیں دیا جائیگا جو اسے اکثریتی طبقہ، اور ملک کا معمار ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔ جب تک ملک کا اقتدار اور انتظام اس طبقے کے ہاتھوں میں نہیں آئے گا اس وقت تک کسی قسم کی جمہوریت بے معنی ہو گی۔ پانچ فیصد جاگیرداروں و اجارہ دار سرمایہ داروں کی حکومت ۹۵ فیصد محنت کش عوام پر ہونے کا مطلب جمہوریت نہیں ہے۔ اصل جمہوریت تو وہ ہے کہ پچانوے فیصد عوام کے ہاتھوں میں حکومت ہو۔ جب تک یہ نہیں ہوتا جمہوریت محض ایک ڈھونگ ہے۔ اور ایک ریشمی غلاف میں لپٹی ہوئی تلوار کی مانند ہے۔

"مزدوروں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے"

ابن ایوب کے مقدمے پر نظر ثانی کی جائے"

طفیل عباس کی ایئر مارشل نور خان اور لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن سے ملاقاتیں

قومی مزدور محاذ کے کنوینر جناب طفیل عباس نے صدر کی انتظامی کمیٹی کے رکن ایئر مارشل نور خان اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن سے مورخہ ۱۹ر جون اور ۲۲ر جون ۱۹۶۹ء کو ملاقات کر کے اس صورتحال سے آگاہ کیا، جو مزدور کارکنوں کے خلاف سرمایہ داروں کی انتقامی کارروائیوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ یونین کے کارکنوں کو نوکری سے نکالا جا رہا ہے اور یہی نہیں بلکہ غنڈہ گردی کی فضا بھی پیدا کی جا رہی ہے۔

اس سلسلے میں طفیل صاحب نے حالیہ واقعات کی طرف بھی توجہ دلائی۔ جن میں ایک مزدور یونین کے کارکن فرید خان کی برطرفی اور داؤد کاٹن ملز یونین کے جنرل سکریٹری عزیز کو غنڈوں کے ذریعے پٹوانے کی کارروائی شامل ہے۔ طفیل عباس صاحب نے دونوں صاحبان سے گفتگو میں یہ بات واضح کی کہ مزدور کارکنوں کے خلاف اس قسم کی اشتعال انگیز کارروائیاں یقیناً کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت کی جا رہی ہیں۔ جن کا جلد از جلد سدباب ہونا انتہائی ضروری ہے۔

گفتگو میں طفیل صاحب نے کراچی کے مزدور رہنما جناب ابن ایوب کو دی جانے والی ایک سال کی سزا پر نظر ثانی کرنے کی درخواست بھی کی جس پر جناب نور خان صاحب اور جناب عتیق الرحمٰن صاحب نے غور کرنے کا وعدہ کیا واضح رہے کہ مزدور رہنما ابن ایوب صاحب کو مارشل لا لگنے کے فوراً بعد ہڑتال نوٹس کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا اور عدالت نے انھیں ایک سال قید بامشقت کی سزا دی تھی۔

نور سلک ملز لیبر یونین اور انتظامیہ کے درمیان معاہدہ ہو گیا

کراچی ۳۰ رمئی (نمائندہ منشور) نور سلک ملز لیبر یونین اور انتظامیہ نور سلک ملز لمیٹڈ ایس۔ آئی۔ ٹی۔ ای کراچی کے درمیان طویل مصالحتی بات چیت کے بعد ایک معاہدہ ہوا ہے۔ واضح ہو کہ یہ معاہدہ یونین کی طرف سے دائر کردہ صنعتی تنازعے پر ۱۵ رجنوری ۱۹۶۹ء کو یونین کے حق میں فیصلہ آجانے کے بعد مالکان کی طرف سے صنعتی ٹریبونل میں اپیل دائر کرنے پر معزز عدالت کی ہدایت کے نتیجے میں ہوا۔ معاہدے کے تحت مندرجہ ذیل سہولتیں جو بیشتر معزز صنعتی عدالت دوم کے ایوارڈ میں بھی شامل ہیں مزدوروں کو حاصل ہوئیں۔ اس معاہدہ پر ۱۵ رجنوری سے عمل درآمد ہونا طے ہوا ہے۔

(۱) مزدوروں کو آئندہ ۲۶ چھٹیوں کے بجائے ۳۹ چھٹیاں با تنخواہ اس طرح ملیں گی۔ سالانہ ۱۲ دن اتفاقی دس دن ڈاکٹری ۷ دن تہواری دس روز علاوہ ازیں عند الطلب ہر مزدور کو دو ماہ کی بلا تنخواہ رخصت مل سکے گی۔

(۲) ہر پندرہ واڑے کی پوری حاضری پر ملازمین کو پانچ روپے حاضری الاونس ادا کیا جائے گا۔

(۳) ہر ملازم کو تین آنے یومیہ بس کرایہ دیا جائیگا۔

(۴) پرنٹنگ ڈپارٹ کے ملازمین کو سال میں بارہ روپے وردی الاونس ادا کیا جائیگا۔

(۵) چھٹیوں کے پیسے ویوروں کو چھ روپے پچھتر پیسے کے حساب سے ادا کئے جائیں گے سالانہ چھٹیوں کے پیسے اوسط کے حساب سے ملیں گے۔

(۶) جابروں کی تنخواہ دس سے پندرہ روپے روزانہ اور ہیلپر جابرز کی تنخواہ ساڑھے سات سے آٹھ روپے روزانہ ہوگی۔

(۷) ویونگ کی فی گز اجرتوں میں مندرجہ ذیل اضافہ ہوگا اور سہولتیں مزدوروں کو دی جائیں گی۔

(الف)

کوالٹی	پہلے کا ریٹ	اضافہ شدہ ریٹ
۱۔ پیلس	00-12	00-20
۲۔ پیلین نورکس	00-22	00-27
۳۔ کریب نورکس	00-27 سے 00-29	00-31
۴۔ نورکس ساٹن	00-25	00-31
۵۔ چاندنی	00-20	00-31
۶۔ ٹیٹرون سوٹنگ	00-31	00-35
۷۔ ٹیٹرون ساٹن سوٹنگ	00-37	00-40
۸۔ ٹیٹرون شرٹنگ	00-20	00-25
۹۔ جیکارڈ ڈبل سلنڈر یا پلو پر دوسرا ڈایزین چلے	00-56	00-60

(ب) ۱۔ کسی بھی کوالٹی پر ڈبل پٹی چلائی جانے پر چار پیسے فی گز کا اضافہ کیا جائے گا۔

۲۔ ٹیٹرون سوٹنگ پر ۷۰ پک سے زیادہ چلنے پر ہر پانچ پک پر تین نئے پیسوں کا اضافہ ہوگا۔

۳۔ شرٹنگ کی کوالٹی پر اسی پک سے زیادہ چلائے جانے پر ہر پانچ پک تین پیسوں کا اضافہ ہوگا۔

(ج) ۱۔ کام نہ ہونے کی وجہ سے کاریگر کی واپسی کی صورت میں اُسے اس واپسی والے دن کی پورے روز کی اُجرت ادا کی جائے گی۔

۲۔ جس دن ڈابی والے کا ایک لوم ہوگا۔ اُس دن سات روپے سے اس کا کم کام ہونے کی صورت میں اُسے سات روپے پورے کرکے دیئے جائیں گے۔

۳۔ جیکارڈ والوں کا ایک لوم ہونے کی صورت میں ساڑھے نو روپے سے ان کا کام کم ہونے کی صورت میں انہیں ساڑھے نو روپے پورے کرکے دیئے جائیں گے

۸۔ مزدوروں میں پینتیس ۳۵ ہزار روپے کی رقم بونس کے طور پر تقسیم کی جائیگی۔

(۹) اس معاہدے پر ۱۵ رجنوری ۱۹۶۹ء سے عمل درآمد ہوگا۔ اور اس سلسلے کے بقایاجات بھی انہیں اسی تاریخ سے ادا کئے جائیں گے۔

نور سلک ملز یونین کے جنرل سکریٹری مسٹر محمد مگی نے جنہیں دوسرے چار نمائندوں کے ساتھ مذکورہ تنازعے میں اپنی ملازمت کی قربانی دینی پڑی تھی مذکورہ معاہدے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا اور امید ظاہر کی کہ انتظامیہ معاہدے پر پوری طرح عمل درآمد کریگی۔ اور مزدوروں کے مسائل و مشکلات کو افہام و تفہیم اور آئینی ذرائع سے حل کرنے میں یونین سے تعاون کریگی تاکہ صنعتی امن صحیح معنوں میں محفوظ رہے۔

اسٹیل کارپوریشن آف پاکستان لانڈھی

کے مزدور اپنے دیرینہ مطالبات کی تکمیل کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں

۱۶ رجون۔ لانڈھی۔ حکومت پاکستان نے اسٹیل ری رولنگ میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے جو بھٹیوں (FURNACES) کے قریب کام کرتے ہیں، ہیٹ الاونس کی ادائیگی کا قانون منظور کیا تھا۔ لیکن کافی برس گذر جانے کے باوجود بھی اسٹیل کارپوریشن کے مزدور پچھلے سالوں کے لاکھوں روپے کے ہیٹ الاونس کے واجبات کی وصولی کے منتظر ہیں ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ تک کا فاصلہ طے ہوا لیکن قانون کی واضح ہدایات کے باوجود سرمایہ دار اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے اور وہ ادا کرنے سے انکار کرتا ہے۔

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اسٹیل کارپوریشن ورکرز یونین کے عہدیداروں نے نئے سرے سے ہیٹ الاونس کے بقایاجات کی وصولی کے لئے جدوجہد شروع کی۔ اس مرتبہ نام نہاد ٹھیکیداری سسٹم کے خلاف بھی آواز اٹھائی گئی۔ مارشل لاء حکام اور جوائنٹ ڈائریکٹر لیبر ویلفیئر کو مطلع کیا گیا کہ وہ اسٹیل کارپوریشن آف پاکستان لانڈھی کے معاملات کی تحقیقات کریں۔

پاک ہارڈ بورڈ پیپر ملز ورکرز یونین کورنگی

رجسٹریشن کے آخری مرحلے میں۔

۱۶ رجون۔ پاک ہارڈ بورڈ پیپر ملز کے منتظمین نے نو تشکیل شدہ یونین کو ناکام بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مختلف حربے استعمال کئے گئے لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی اور آج پاک ہارڈ بورڈ پیپر ملز کے مزدوروں کی بہادرانہ کوششوں اور یکجہتی کا یہ ثمر برآمد ہوا ہے کہ رجسٹرار آفس میں تمام کاغذات وغیرہ چیکنگ کے لئے پیش کئے جا چکے ہیں اور تمام دفتری کاروائیاں ختم ہو چکی ہیں۔ عنقریب رجسٹریشن سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔

پیکیجز لمیٹڈ لاہور کے سنگین مسائل فوری طور پر حل کئے جائیں

پیکیجز ورکرز یونین کوٹ لکھپت کے جنرل سکریٹری عبدالرحمٰن نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا

پیکجز لمیٹڈ کوٹ لکھپت کو وجود میں آئے ہوئے آج بارہ سال ہو چکے ہیں۔ اس کارخانہ کے مالک اور ان افراد نے جو اس کارخانہ کی انتظامی پالیسی مرتب کرتے ہیں اپنے طور پر مزدوروں کے حق انجمن سازی کو کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ انہوں نے کارخانہ میں ایسے حالات پیدا کئے ہوئے تھے کہ یونین کا لفظ پکارنے والی زبان اور اس لفظ کو سننے والے کان کی فیکٹری میں موجودگی ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کی جاتی تھی۔ انکی یہ واضح پالیسی تھی کہ انجمن سازی کے لئے آگے بڑھنے والے عناصر کو اس انداز سے ختم کیا جائے کہ دوسرے مزدور اس سزا سے خوفزدہ ہو کر رہ جائیں۔

مزدور اتنا شعور رکھتے ہیں کہ بحیثیت مزدور ان کے لئے حق انجمن سازی ہی ایک ایسا عزیز ترین حق ہے جس کے حصول کی خاطر انھوں نے سینکڑوں بار کپڑوں کو اپنے زندہ خون سے تر کیا ہے۔ اس حق کے حصول کے لئے جدوجہد کو وہ مقدس جہاد تصور کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس یہی حق ایک ایسا عزیز ترین سرمایہ ہے۔ جس کے ذریعہ صنعتی غلام اور آزاد مزدور کے فرق کو پہچانا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود پیکجز کے سہمے ہوئے اور خوف زدہ مزدوروں نے اپنے اس عزیز ترین سرمایہ کو اپنے آقاؤں کی خوشنودی پر بھینٹ چڑھا دیا ہے اور اپنے خون کی قربانیاں دے کر اس کارخانہ کو ترقی کے موجودہ معیار تک پہنچایا ہے لیکن مالکوں نے ان کے خون کو سادہ پانی سے بھی کم اہمیت دی۔ مزدوروں نے ہاتھ، بازو جانیں قربان کیں۔ لیکن وہ اور ان کے لواحقین معاوضہ سے محروم رہے۔ مزدوروں کی سراسیمگی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیکجز کی انتظامیہ نے انکو دی جانے والی مراعات اور حقوق کو سلب کرنا شروع کر دیا۔

سہمے ہوئے مزدوروں کی خاموشی کو انتظامیہ نے غلط سمجھا۔ اور مزید ظلم و ستم کے لئے حالات کو سازگار خیال کیا مزدوروں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور ساتھ ہی حالات نے انہیں جھنجھوڑا تو یہ فریب خوردہ شاہین اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر میدان عمل میں اتر آئے ۱۲ مارچ ۱۹۶۹ء کو حق انجمن سازی کو استعمال کرتے ہوئے "پیکجز ورکرز یونین" کا وجود عمل میں لایا گیا ۲۵ مارچ ۶۹ء کو انتظامیہ کو مزدوروں کے اتحاد کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ اور مزدور مسائل کا حل سوچنے کے لئے۔ یونین کے نمائندگان سے بات چیت کا آغاز ہوا۔ مزدور نمائندگان نے ملکی معیشت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے جائز مطالبات پیش کئے۔ جنہیں انتظامیہ کے نمائندوں سید ذوالفقار علی شاہ صاحب اور جناب امتیاز مہدی نے بالکل جائز گردانتے ہوئے تسلیم کر لیا۔ اور کہا کہ ہم آج ہی مینیجنگ ڈائریکٹر صاحب کے دستخط کروا کر اس معاہدہ پر عمل کروائینگے۔ اسی دن ملک میں مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔ مزدوروں کی قوت سودا بازی کمزور ہو گئی۔ تو وعدوں اور معاہدوں سے انحراف کوئی غیر متوقع نہ تھا۔ برسر پیکار فریقین میں سے کیونکہ ایک غیر مسلح ہو چکا تھا اس لئے دوسرے فریق کو بزدلانہ حملہ کا موقع مل گیا۔ ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں کام کرنے والے سرگرم کارکنوں کو انتقامی کاروائی کا نشانہ بننا پڑا چارج شیٹ، وارننگ اور دھمکیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ حتیٰ کہ ۵۳ بے کس مزدوروں کے گلے میں بیروزگاری جیسی لعنت کا طوق ڈال دیا گیا۔

متعلقہ حکام کی طرف سے مسلسل ہدایت شائع ہوتی رہی کہ مزدوروں کے خلاف انتقامی کاروائی بالکل نہ کی جائے۔ لیکن انکی ہر ہدایت کے باوجود پیکجز کی انتظامیہ کی طرف سے انتقامی کاروائی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ متعلقہ حکام کی طرف رجوع کیا گیا لیکن آج ہمیں بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اپنی تکالیف کے ازالہ کے واسطے سوا دو ماہ کے طویل عرصہ کی ان تھک تگ و دو کے باوجود ہم حکام متعلقہ کو حرکت میں لانے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ طویل اور غیر ضروری تاخیر ہی مزدور کے خلاف اور سرمایہ دار کے مفاد میں جاتی ہے۔ مزدوروں کی صرف ایک دن کی بیکاری اور محنت کا ضیاع بھی قطعی طور پر ناقابل تلافی ہے۔ اجتماعی سودا بازی میں محنت کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمایہ سبقت لے جانے کی ہمیشہ بزدلانہ کوشش کرتا ہے۔

کیا پیکجز کے مزدوروں کو مشتعل کرنے کے لئے اس قسم کے حالات کافی نہیں ہیں؟ یہ تو مزدوروں کی حب الوطنی اور امن پسندی ہے۔ جو انہیں ایسے اشتعال انگیز حالات میں بھی خاموش کئے ہوئے ہے۔ وہ تو اب اس ماہ کے شروع میں نافذ ہونے والے لیبر قوانین کے منتظر ہیں جو امید ہے کہ موجودہ حکومت کی اعلان کردہ پالیسی کے آئینہ دار ہونگے۔ جو وہ مزدور مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں پچھلے دنوں کر چکی ہے۔

ہم انتظامیہ کے اشتعال انگیز چالوں میں آکر دشمن کو خوش ہونے کا موقع بھی نہیں دینگے کیونکہ ہم یہ بات سمجھ چکے ہیں اشتعال کی صورت میں اندھے قانون کے لمبے ہاتھ اشتعال دلانے والے اسباب اور اصحاب کا محاسبہ کرنے کی بجائے مشتعل ہونے والوں کے گریبان تک ہی پہنچا کرتے ہیں۔

جیلانی انڈسٹریز ورکرز یونین کے صدر اور پروپیگنڈہ سیکریٹری کی رہائی

جنرل سیکریٹری محمد عارف کی سزا میں ۳ ماہ کی تخفیف

کراچی ۹ رجون (نمائندہ منشور) جیلانی انڈسٹریز کے جنرل سیکریٹری محمد عارف صدر حضرت گل۔ اور پروپیگنڈہ سکریٹری محمد شاکر کی سزاؤں میں مارشل لاء حکام نے نظر ثانی اور رحم کی درخواستوں کے پیش نظر تخفیف کر دی ہے۔ جس کے نتیجے میں صدر حضرت گل اور پروپیگنڈہ سکریٹری کو ۱۰ رجون کو کراچی سنٹرل جیل سے رہا کر دیا گیا۔ یونین کے جنرل سکریٹری محمد عارف کی سزا میں چھ ماہ کی مدت میں تخفیف کر کے تین ماہ قید بامشقت کر دی ہے۔ واضح ہو کہ ان نمائندوں کو عین اس وقت گرفتار کر لیا گیا تھا جب کہ ۲۰ راپریل کو عبوری امداد کی تقسیم کے متعلق یونین کی درخواست جناب سب اسسٹنٹ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر "الف" سب سیکٹر کلثوم بائی ولیکا ہسپتال ایس۔ آئی۔ ٹی۔ ای کراچی میں زیر کاروائی تھی اور ۲۱ راپریل کی عام تعطیل کے دن پڑوس کے کارخانے بنام گیس اینڈ الیکٹرک اپلائنسز لمیٹڈ کے مزدوروں نے اخبار کی خبر کا حوالہ دیکر چھٹی حاصل کر لی تھی۔ انتظامیہ نے جیلانی انڈسٹریز کے اپنے مزدوروں کو بھی چھٹی دیدی۔ اور بعد میں مزدوروں کیخلاف ہڑتال کرنے کے الزام میں رپورٹ کر دی۔ مذکورہ نمائندے ۲۲ راپریل کو مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۸ کی خلاف ورزی کے تحت گرفتار کر لئے گئے تھے اور ۷ رمئی کو صدر اور پروپیگنڈہ سیکریٹری کو تین تین ماہ قید بامشقت اور جنرل سکریٹری کو چھ ماہ کی سزائیں دی گئیں تھیں۔

شالیمار سلک ملز مزدور یونین کے صدر کا بیان

کراچی ۹ر جون (نمائندہ منشور) مسٹر رضی الدین صدر شالیمار سلک ملز مزدور یونین کے ایک بیان میں ملز مالکان کی طرف سے اچانک مزدور دشمن سرگرمیاں شروع کی جائے پر ملز انتظامیہ کے یونین دشمن افسران کے پروردہ پالتو غنڈوں کے ذریعے صنعتی امن درہم برہم کرنے کی کوششوں پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۳ر اپریل ۱۹۶۸ء میں شالیمار سلک ملز مزدور یونین کی تشکیل اور ۵ جون ۶۸ء کو یونین کے رجسٹریشن کے بعد بھی ملز انتظامیہ یونین کو اپنے لئے توہین کا باعث سمجھتی ہے۔ حالانکہ ہماری اطلاعات کے مطابق مینجنگ ڈائریکٹر ملز خود سلک ملز مالکان کی انجمن کے چیئرمین ہیں لیکن وہی انجمن سازی کا حق مزدور اگر استعمال کرتے ہیں تو وہ آوارہ۔ ملک دشمن اور شرپسند عناصر کی تعریف میں آجاتا ہے حالانکہ یونین مفاہمت اور باہمی بات چیت اور آئینی ذرائع کو اولیت دیتی ہے۔ اور ہمارے اسی جذبے کے پیش نظر ۲۷ر ستمبر ۱۹۶۸ء کو ایک معاہدہ ملز انتظامیہ اور یونین کے درمیان ہوچکا ہے لیکن مالکان نے کبھی بھی مفاہمانہ طرز عمل کے جواب میں اچھے طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صنعتی عدالت میں چھ سرگرم کارکنوں اور عہدیداروں کی ناجائز برطرفی اور دیگر مطالبات پر مقدمہ چل رہا ہے کینٹین کی ناقص صورت حال پر توجہ دلانے اور تندور کی وردی فراہم کرنے کی درخواست پر مالکان نے یونین کے جنرل سکریٹری حبیب الرحمن ممبران مجلس عاملہ خلیل اور میاں محبب جان کو غیر قانونی طور پر پندرہ دن معطل رکھا اور انہیں نوکری سے نکلوانے کی سر توڑ کوشش کی بالآخر مارشل لا حکام اور محکمہ محنت میں کاروائی کے بعد ان نمائندوں کو کام پر تنخواہ کے ساتھ بحال کیا گیا لیکن مالکان نے ایک خط کے ذریعے جنرل سیکریٹری اور دوسرے نمائندوں کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ اطلاع دی کہ ان کا قصور معاف کر دیا گیا اور وہ آئندہ غلطی نہ کریں۔ اس سے کمپنی کی بدنیتی کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ مالکان حالات کو جان بوجھ کر بگاڑنے اور صنعتی امن کو خطرے میں ڈالنے کی موجودہ پالیسی سے اجتناب برتیں۔

انڈس رولر فلور ملز لانڈھی سے نو۹ مزدوروں کی برطرفی

۱۶ر جون۔ انڈس رولر فلور ملز لانڈھی کے مزدوروں نے بھی مارچ کے مہینے میں اپنی یونین تشکیل دی تھی۔ یونین کے قیام کے فوری بعد یونین کے عہدیداران و ملز کے مزدوروں پر سرمایہ دارانہ ظلم کا ڈنڈا چلنے لگا۔ نت نئی شرمناک چالوں سے مزدوروں کو یونین کی سرگرمیوں سے الگ رکھنے کی کوششیں کی گئیں۔ جنرل سکریٹری منظور احمد و دیگر عہدیداران کو چارج شیٹیں جاری کی گئیں۔ ان تمام ہتھیاروں کو آزما لینے کے بعد آخری حربہ اختیار کرتے ہوئے بطور مثال نو۹ مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا۔ جس میں سے ایک یونین کی مجلس عاملہ کا سرگرم رکن بھی ہے۔

اوپل لیبارٹیریز ورکرز یونین لانڈھی کے جوائنٹ سیکریٹری سرفراز احمد خان کی جبری برطرفی

۱۶ر جون۔ اوپل لیبارٹیریز ورکرز یونین کے جوائنٹ سکریٹری سرفراز احمد خان کو مورخہ ۲۶ر مارچ ۱۹۶۹ء سے غیر قانونی طور پر کام کرنے سے روک دیا گیا۔ رجسٹرار ٹریڈ یونینز و جوائنٹ ڈائریکٹر لیبر ویلفیر کراچی کو مینجمنٹ کے اس غیر قانونی اقدام کی اطلاع دی گئی۔ رجسٹرار آفس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ کافی عرصہ کے غور و خوض کے بعد رجسٹرار ٹریڈ یونینز کراچی اوپل لیبارٹیریز کے منتظمین کے خلاف ٹریڈ یونین آرڈی ننس کی دفعہ ۹ کی خلاف ورزی کے سلسلے میں جلد از جلد کاروائی کرنے والے ہیں۔

آئیل اینڈ گیس ڈیولپمنٹ کارپوریشن ورکرز یونین کا قیام

۱۲ر مارچ ۱۹۶۹ء کو عمل میں آیا۔ رجسٹریشن کی درخواست رجسٹرار آفس میں زیر غور ہے۔

مندرجہ ذیل عہدیداران سال ۱۹۶۹ء کے لئے منتخب کئے گئے۔

صدر — سعید حسین
نائب صدر عبدالحمید
جنرل سیکریٹری عثمان علی
جوائنٹ سکریٹری — محمد سلطان
خازن — افلاطون

ممبران مجلس عاملہ:۔ پیر محمد، ارباب خان، عبدالرشید، عبدالرحمان۔

آئیل اینڈ گیس ڈیولپمنٹ کارپوریشن میں ایک اسٹور قائم ہے، جہاں پر تقریباً ایک سو اسی (۱۸۰) مزدور کام کرتے ہیں تقریباً پچاسی مزدوروں کو پچھلے چھ سال سے عارضی (CASUAL) مزدوروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان مزدوروں کو ملازمت کا شناختی کارڈ بھی جاری نہیں کیا جاتا ہے اس کے علاوہ ہر وہ سہولت جو تین ماہ کی مدت کے بعد ہر مزدور کو تمام صنعتی اداروں میں دی جاتی ہیں، آئیل اینڈ گیس کے بدقسمت اور نام نہاد عارضی (CASUAL) مزدوروں کو فراہم نہیں کی جاتی ہیں۔ حکومت کے قوانین کی دیدہ و دانستہ خلاف ورزی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ ان نام نہاد عارضی (CASUAL) مزدوروں کو نہ تو عبوری امداد ادا کی گئی اور نہ ہی ۱۷ر مارچ تا ۲۵ر مارچ ۱۹۶۹ء کی ہڑتال کے پیسے ادا کئے گئے۔ یونین کے عہدیداروں نے ان تمام تکالیف اور شکایات سے تمام متعلقہ حکام کو باخبر کر دیا ہے۔ مزدوروں کو جوائنٹ ڈائریکٹر لیبر ویلفیر اور مارشل لا حکام کے فیصلوں کا انتظار ہے۔

بنارس ساری ہاؤس ورکرز یونین کے عہدیداران کیخلاف انتقامی کاروائیاں

۱۶ر جون (لانڈھی) بنارس ساری ہاؤس ورکرز یونین کے جنرل سکریٹری اور یونین کے خزانچی سرفراز خان کے خلاف مالکان کے اشارے پر انتقامی کاروائیاں کی جارہی ہیں اور یونین کے عہدیداروں کو معطل کر کے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ کبھی کام کے دوران دفتر میں طلب کر کے گالم گلوچ کی جاتی ہے۔ لیکن بنارس ساری ہاؤس کے بہادر مزدور ہر قیمت پر اپنی طبقاتی تنظیم کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں اور انہوں نے ملز مینجمنٹ کے تمام ہتھکنڈوں کو اپنے اتحاد سے بے اثر کر دیا ہے۔

ملز مینجمنٹ کی تمام زیادتیوں سے تحریری طور پر کراچی پولیس اور مارشل لا، حکام کو باخبر کر دیا گیا ہے۔

مون لائٹ پاک لمیٹڈ کورنگی سے ۲۹ مزدوروں کو نکال دیا گیا

نو تشکیل شدہ یونین کے عہدیداران بھی علیحدہ کر دیئے گئے

۱۶ر جون مون لائٹ پاک لمیٹڈ کورنگی کے مزدوروں نے مارچ کے مہینے میں اپنی یونین قائم کی تھی، جس کے رجسٹریشن کی درخواست رجسٹرار آفس میں زیر غور ہے۔ مینجمنٹ نے مزدوروں کے اتحاد سے گھبرا کر روایتی سرمایہ دارانہ ہتھکنڈے اختیار کر کے عہدیداران یونین کو تنگ کرنا شروع کیا، اس پر بھی کچھ بات نہ بنی تو مالی مشکلات کا عذر تراش کر ۲۹ مزدوروں کو علیحدہ کر دیا اُن مزدوروں میں یونین کے صدر، نائب صدر اور دیگر عہدیداران بھی شامل ہیں۔ واضح رہے کہ موجودہ لیبر قوانین کے تحت نو تشکیل شدہ یونین کے کسی بھی عہدیدار کو ملازمت سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ رجسٹرار ٹریڈ یونینز کو مطلع کیا گیا ہے، آج تک کوئی کاروائی عمل میں نہیں آئی ہے۔

صنعتی مزدوروں کے بگڑتے ہوئے حالات حکومت کی توجہ چاہتے ہیں

کراچی ۳۱ر مئی (نمائندہ منشور) بیس برس میں پہلی بار ڈیڑھ مہینے کا عرصہ ایسا بھی گذرا ہے۔ جس میں کارخانہ داروں پر سختی سے یہ پابندی عائد کردی گئی تھی کہ وہ کسی مزدور کو نوکری سے نہیں نکال سکتے۔ تحفظ ملازمت کا یہ عرصہ بہت مختصر ثابت ہوا۔ اور مزدوروں کو پھر سے معطلی" بے روزگاری اور جھوٹی چارج شیٹنگ اور بہت سی دوسری انتقامی کارروائیوں کی تلخی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ مالکان حسب دستور ایسے مزدوروں کی جو پیس ریٹ پر کام کرتے ہیں مختلف ہتھکنڈوں سے اجرتیں کم کر رہے ہیں عبوری امداد کے اعلانات کی مالکان اپنے مطلب اور مفاد کے مطابق تشریح کر رہے ہیں اور بہت سی جگہوں پر اب بھی مزدوروں کو عبوری امداد سے محروم رکھا ہوا ہے —— علاوہ ازیں اسے قانونی حقوق۔ مثلاً سالانہ با تنخواہ چھٹیاں ڈبل اوور ٹائم منیمم ویجز بورڈ ایوارڈ کے تحت مقررہ اجرتیں (جو اب بھی مزدوروں کی موجودہ اجرتوں سے نصف کم ہیں) پر عمل درآمد سے گریز کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں مزدور اپنے ان حقوق کے لئے آواز اٹھا رہے ہیں۔ یا تنخواہوں میں کمی کے خلاف درخواستیں دے رہے ہیں۔ وہاں پر مالکان بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مزدوروں کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں۔ مزدوروں کے خلاف جھوٹی چارج شیٹوں اور انکوائریوں کے سلسلے کے بعد مالکان متاثرہ مزدوروں کے خلاف انتہائی مظلوم لاچار اور بے کس بن کر انہیں نکالے جانے کی اجازت محکمۂ محنت اور مارشل لاء اتھارٹی سے طلب کر رہے ہیں۔ کاروبار میں گھاٹے اور کام کی مندی کا نام نہاد بہانہ تراش کر ملوں اور فیکٹریوں میں کام کی رفتار نصف کردی گئی ہے جس کی وجہ سے پیس ریٹ والے ملازمین کی تنخواہوں پر غلط اثر پڑ رہا ہے۔ عبوری امداد سلک ملوں کے مالکان نے منیمم ویجز بورڈ ایوارڈ ۲۹ اپریل ۱۹۶۹ء کے مطابق دی ہے۔ جس کی وجہ ڈیونگ ڈیپارٹ کے مزدوروں کی تنخواہوں میں مطلق اضافہ نہیں ہوا کیونکہ انکی تنخواہیں پہلے ہی مذکورہ قانون سے تقریباً اس حالت میں بھی دگنی ہیں۔ مذکورہ مسائل کے سلسلے میں کراچی مزدور مرکزی کمیٹی نے اپنے صدر جناب طفیل عباس کے ذریعے جناب ایئر مارشل نور خان ڈپٹی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور کراچی کے مارشل لاء حکام اور محکمۂ محنت کو متعدد عرضداشتیں روانہ کی ہیں۔ اور مذکورہ حکام سے جناب طفیل عباس نے بات چیت بھی کی۔ کمیٹی سے ملحقہ رحمٰن انڈسٹریز مزدور یونین۔ فیاض ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین۔ اور شالیمار سلک ملز مزدور یونین۔ تینوں یونینوں نے بھی اپنے مسائل کے سلسلے میں متعلقہ حکام کو مبسوط عرضداشتیں بھیجی ہیں اور ان پر مثبت نتائج کا انتظار کر رہے ہیں۔ دریں اثناء محکمۂ محنت میں۔ مارشل لاء سے قبل کی دی ہوئی۔ ہڑتال نوٹسوں پر جو مختلف کارخانوں کے مزدور نمائندوں نے صنعتی تنازعات کے قانون کے تحت دی ہوئی تھیں۔ قانونی اسقام کی بدولت مذکورہ نوٹسوں کو فائل کردیا گیا ہے۔ محکمۂ محنت مارشل لاء حکام کے تعاون سے ان نوٹسوں میں اٹھائے ہوئے مسائل پر مزدوروں اور مالکان میں تصفیہ کروانے کی کوشش میں ہے۔ لیکن مالکان ان نوٹسوں کے سلسلے میں مزدوروں کے درمیان یہ غلط تاثر دے رہے ہیں کہ یونینیں ختم ہوچکی ہیں اور مزدوروں کے لئے اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانے پر پابندی عائد ہوچکی ہے۔ مذکورہ حالات سے جہاں کے مزدور دوچار ہیں ان میں قمر ٹیکسٹائل اینڈ جنرل ملز۔ ڈی لکس سلک فیکٹری۔ ایچ۔ ایم سلک ملز۔ صابر سلک ملز۔ فیاض ٹیکسٹائل ملز۔ بغداد ٹیکسٹائل ملز۔ تاج الدین سلک ملز۔ رفعت برادرس سلک فیکٹری اور بہت سے دوسرے کارخانوں اور ملوں کے نام شامل ہیں ضرورت ہے کہ محکمۂ محنت اور مارشل لاء حکام اور مزدور مالکان رابطہ کمیٹی متحدہ طور پر مذکورہ شکایتوں کو ختم کرنے کے لئے فوری اقدام کرے۔ اور اس طرح مزدوروں میں بڑھتی ہوئی بے چینی کا پہلے ہی مرحلے میں سدباب کریں۔ اور مالکان کو من مانی کرنے سے روکا جائے اور مزدوروں کی تنخواہ میں مستقل اضافے اور دوسری سہولتوں کا فوری نفاذ کرنے کے ساتھ ساتھ۔ لیبر کانفرنس میں موجودہ ناقص اور ناکارہ لیبر قوانین کی جگہ مزدور نمائندوں کی سفارشات پر مشتمل قوانین کا اعلان اور نفاذ کیا جائے۔

مالکان رحمٰن انڈسٹریز لمیٹڈ کا مزدوروں پر ظلم و ستم

یونین کے جنرل سیکریٹری کو برطرف کردیا گیا

کراچی ۲۳ر مئی (نمائندہ منشور) سلک کے ایک چھوٹے سے کارخانے بنام رحمٰن انڈسٹریز لمیٹڈ ایف ایم ایس آئی ٹی ای کراچی کے مالکان نے اپنے مزدوروں خصوصاً ان کی یونین بنام رحمٰن انڈسٹریز ورکرز یونین کے عہدیداروں کے ساتھ ایک مہینہ پُرسکون رہنے کے بعد اچانک انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کردیا ہے تقریباً ہر مزدور کو مس کنڈکٹ اور ناجائز برتاؤ اور کام جان بوجھ کر کم کرنے کا الزام لگا کر چارج شیٹیں دی گئیں اور ان پر نام نہاد انکوائریوں کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔ زبانی طور پر مالکان یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ ان کی پہنچ بڑی دور دور تک ہے اور وہ تمام مزدوروں کو کام سے نکال کر ان سے انتقام لیں گے یہ تمام کارروائی اس لئے شروع کی گئی ہے کہ مالکان نے مزدوروں اور ان کی یونین سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ فی گز اجرتوں میں کمی قبول کرتے ہوئے منیمم ویجز بورڈ ایوارڈ کی پابندی سے اپنے طور پر مالکان ملز کو مستثنیٰ کردیں اس کے لئے ورکرز یونین اور مزدوروں نے معذوری ظاہر کی تھی جس کے جواب میں مالکان نے ان کارروائیوں کا سلسلہ جاری کردیا۔ مالکان نے یونین کے جنرل سیکریٹری فرید خان کو مورخہ ۲۳ر مئی کو مارشل لاء حکام سے اجازت لے کر کام سے علیحدہ کردیا۔ ساتھ ہی کام کی کمی کا بہانہ بنا کر پوری ملز ۳۰ر جون سے بند کردینے کا نوٹس ملز میں مورخہ ۹ر جون کو لگوائی گئی۔ لیکن اس کے باوجود مزدوروں کے خلاف جھوٹے الزامات پر مشتمل چارج شیٹوں کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ملز بدستور چالو رکھنے اور نکالے ہوئے نمائندوں کو واپس رکھوانے کے لئے یونین کے لیڈر بر محکمہ محنت مارشل لاانس اور کمشنر کراچی کے پاس کارروائیاں جاری ہیں۔

یونینوں کا رجسٹریشن

کراچی ۳۰ر مئی کراچی (نمائندہ منشور) کراچی مزدور مرکزی کمیٹی سے ملحق ٹریڈ یونینوں کو جناب رجسٹرار صاحب آف ٹریڈ یونینز کراچی نے مندرجہ ذیل یونینوں کو ٹریڈ یونین آرڈر ۱۹۶۸ء کے تحت رجسٹر کرتے ہوئے انہیں رجسٹریشن سرٹیفکیٹ جاری کردیئے ہیں المحمود رولنگ ملز اینڈ فونڈری ورکشاپ ورکرز یونین۔ نواب ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین فیاض ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین۔ کراچی سلک اینڈ کاٹن ملز یونین نیز مندرجہ ذیل یونینوں کے ڈاکومنٹ بغرض چیکنگ پچھلے دو مہینوں میں رجسٹریشن کے سلسلے میں زیر کارروائی ہیں۔ ڈی لکس سلک فیکٹری مزدور یونین۔ انڈس سلک انڈسٹریز ورکرز یونین۔ بغداد ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین۔ طاہر انڈسٹریز ورکرز یونین۔ اسٹار رولنگ ملز ورکرز یونین۔ صابر سلک ملز ورکرز یونین۔ نیشنل اینڈ ظفر ماربل انڈسٹریز ورکرز یونین۔ بلیس اینڈ کمپنی ایمپلائز یونین۔

ایمپلائز یونین کالونی ٹیکسٹائل ملز اور لیبر یونین کالونی وولن ملز

کے برطرف عہدیداروں اور کارکنوں کو بحال کیا جائے

نائب صدر اور جنرل سکریٹری کا مشترکہ بیان

ایمپلائز یونین کالونی ٹیکسٹائل ملز کے جنرل سکریٹری اور لیبر یونین کالونی وولن ملز اسمٰعیل آباد ملتان کے جنرل سکریٹری اور نائب صدر نے ایک مشترکہ بیان میں حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ صنعتی اداروں میں مزدوروں کی بے چینی، روزمرہ کی زیادتیوں اور برطرفی کے بارے میں تحقیقات کی جائے انہوں نے کہا ہے کہ ان اداروں کی یونینوں کے اہم عہدیداروں کے علاوہ متعدد دوسرے مزدوروں کو ملازمتوں سے نکال دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں کی جانے والی تمام کارروائیاں ناکام ثابت ہوئی ہیں، لہٰذا اعلیٰ حکام فوری مداخلت کریں اور مزدوروں کو ملازمت پر بحال کرائیں۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ ۱۷ر مارچ ۶۹ء کو ان دونوں یونین کا انتخاب جلسۂ عام میں ہوا تھا اور رجسٹریشن کے کاغذات داخل کر دئے گئے لیکن اس کے فوراً بعد یونین کے عہدیداروں، کارکنوں اور مزدوروں کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دی گئیں۔ جس کے نتیجے میں سی ٹی ایم ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری محمد شریف۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز کے نائب صدر جناب نور احمد اور دو مزدور نمائندے اشتیاق حسین اور نذیر الاسلام اور ۳۵ دوسرے ملازمین کو نکال دیا گیا۔

بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مزدوروں کو یا تو عبوری امداد نہیں دی گئی یا پھر مختلف طریقوں سے بڑھی ہوئی تنخواہ کو کاٹ لیا گیا مشترکہ بیان میں متعلقہ حکام سے کہا گیا ہے کہ اس مزدور دشمن رویئے کا سدباب کیا جائے، برطرف شدہ ملازمین کو بحال کیا جائے اور یونین کو بلاتاخیر رجسٹرڈ کیا جائے۔

داؤد کاٹن ملز لانڈھی کے مزدوروں کی نمائندہ یونین کا قیام

لانڈھی ۲۰ر مارچ ۱۹۶۹ء کو کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کے علاقائی دفتر لانڈھی کالونی میں داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں کا ایک جنرل باڈی اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں مزدوروں کے گوناگوں مسائل کے سلسلہ میں پاکٹ یونین کی خاموشی پر نفرت کا اظہار کیا گیا مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ داؤد کاٹن ملز کے مزدور جب تک اپنی طبقاتی تنظیم قائم نہیں کریں گے، سرمایہ دار اور اس کے گماشتہ بیوروکریسی کے یہ ہتھکنڈے جاری رہیں گے۔ اس لئے داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں کی نمائندہ یونین کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس نے متفقہ طور پر مندرجہ ذیل افراد کو یونین کی اہم ترین ذمہ داریوں کے لئے منتخب کیا۔

صدر ——— خواجہ نجیب الدین
نائب صدر ——— چاچا عبدالستار
جنرل سیکریٹری ——— عزیز الحسن

اس کے علاوہ مختلف ڈپارٹمنٹس سے مجلس عاملہ کے ممبران بھی منتخب کئے گئے یونین کے رجسٹریشن کے لئے رجسٹرار ٹریڈ یونینز کراچی کو درخواست دیدی گئی ہے۔ اس سلسلے میں کارروائی جاری ہے۔

دادابھائی پیپر ملز ورکرز یونین رجسٹریشن کے آخری مرحلہ میں

۱۶ر جون دادابھائی پیپر ملز ورکرز یونین لانڈھی کے مختلف ڈاکومنٹس رجسٹرار آفس میں داخل کر دیئے گئے۔ رجسٹریشن کے سلسلے میں آخری کارروائی ہو رہی ہے، امید ہے کہ جلد از جلد یونین رجسٹرڈ ہو جائے گی۔

فیاض ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین کے برطرف شدہ عہدیدار کام پر بحال کر دیئے گئے۔ منتظمین کی جعل سازی پر کارروائی جاری ہے

کراچی ۲۸ر مئی (نمائندہ منشور) فیاض ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین کو جناب رجسٹرار آف ٹریڈ یونینز کراچی نے مورخہ ۱۸ر مئی کو رجسٹرڈ کرتے ہوئے رجسٹریشن سرٹیفکیٹ جاری کر دیا ہے دریں اثنا مزدوروں کے ۱۰ مطالبات پر جاری کردہ اسٹرائیک نوٹس کے پانچ نمائندے جنہیں ۲۶ر مارچ سے غیر قانونی طور پر کام سے نکال دیا گیا تھا۔ ۱۴ اپریل سے مارشل لا حکام اور محکمۂ محنت کی مداخلت کے بعد انہیں کام پر لیا گیا لیکن ان نمائندوں بخت رواں۔ رحیم شاہ۔ وحید الرحمٰن۔ دنیا رحمٰن اور دین محمد کو ۲۶ر مارچ سے پہلے پندرہ واڑے اور ناکہ بندی کے عرصے کی اُجرت ادا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ اور نمائندوں کو ان پیسوں کے حصول کے لئے کارروائیوں کے بعد مزدوروں سے ماضی میں سادے کاغذوں پر لئے گئے دستخطوں کی بنیاد پر جعلی استعفٰے اور رقم وصول کرنے کی رسیدیں تیار کر کے یہ دعوٰی کر رہے ہیں کہ انہوں نے یہ رقم ادا کر دی ہے۔ جبکہ مارشل لا حکام۔ ایس۔ آئی۔ ٹی۔ ای پولیس اسٹیشن اور محکمۂ محنت میں ابھی تک تحقیقات جاری ہے۔ مالکان نمائندوں کے علاوہ پورے مزدوروں کو تنگ کرنے کے لئے۔ کام کو جان بوجھ کر شارٹ کرنے اور کمپنی بند کر دینے کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے مزدوروں میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ فیاض ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین کے جنرل سیکریٹری نے مالکان کی مزدور کش یونین دشمن کارروائیوں کے سلسلے میں جوائنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیئر کراچی کو ایک مبسوط لیٹر دیا ہوا ہے۔ جسکی نقول متعلقہ حکام کو بھی روانہ کی گئیں جن پر کارروائی جاری ہے

ڈھاکہ کی فاضل عدالت نے ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے خلاف دائر کردہ مقدمہ خارج کر دیا

ائیرویز ایمپلائز یونین، پی آئی اے برانچ سنہ ۱۹۵۰ء سے انتہائی خلوص اور پختہ عزم کے ساتھ مزدوروں کی خدمت کر رہی ہے جس کے نتیجے میں پی آئی اے کے مزدور دیگر پاکستان کے تمام مزدوروں کے مقابلے میں بہتر حالات کار حاصل ہیں۔ اس یونین کے انقلابی کردار اور پی آئی اے کے مزدوروں کے لئے حاصل کئے ہوئے بہتر حالات کار سے متاثر ہو کر پاکستان کے عام مزدوروں نے ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ اور اس کی مخلص قیادت کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھنا شروع کیا اور تمام مزدوروں کی قیادت کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ایک عرصے سے ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ، اس کے رہنمایان اور دوسرے باشعور کارکنان مختلف شکلوں میں پاکستان بھر کے مزدور طبقے کیلئے کام کرتے رہے ہیں۔ ٹریڈ یونینوں کی رابطہ کونسل اور اس کے بعد کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کا کردار کسی بھی باشعور مزدور ساتھی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور یہ دونوں ادارے ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کی سرکردگی میں قائم ہوئے تھے۔ برصغیر میں یہ اعزاز بھی اسی یونین کو حاصل ہے کہ اب سے ۵ سال پیشتر اس یونین نے مزدور طبقے کی ترجمانی کرنے کی غرض سے ایک ماہنامہ 'منشور' جاری کیا جس نے پاکستان کے مزدور طبقے میں زبردست طبقاتی شعور و سیاسی بیداری پیدا کرنے کے علاوہ ان کے مسائل اور ان کی جدوجہد عوام تک پہنچائی اور اس کے علاوہ ان کے اندر صحت مند ادبی و ثقافتی رجحان بھی پیدا کیا۔

جس تیزی سے مزدوروں اور کسانوں میں سیاسی و طبقاتی شعور بیدار ہوتا ہے اور اپنے طبقاتی دشمنوں کے خلاف ان کی جدوجہد میں شدت پیدا ہوتی ہے اتنی ہی تیزی سے رجعت پرست طاقتیں سرمایہ دار جاگیردار اور سامراجی ایجنٹ بوکھلاتے ہیں اور جنون کے عالم میں ان مظلوم پسماندہ طبقوں پر اوچھے حملے کرتے ہیں۔ ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ بھی جس تیزی سے پاکستانی مزدوروں اور کسانوں کو منظم کرنے اور ان کی جدوجہد میں شدت پیدا کرنے کی طرف توجہ دے رہی ہے اسی تیزی سے پاکستان کے رجعت پسندوں سامراجی ایجنٹوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی نمائندہ جماعت اسلامی اس انقلابی تنظیم پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ پی آئی اے کے اندر اس یونین کی اصولی اتحاد کی پالیسی کے نتیجے میں مزدوروں کے لیے جو رعائتیں حاصل کی گئی ہیں وہ تمام پاکستانی مزدوروں کے مطالبات میں شامل ہوتی جا رہی ہیں جن سے یہاں کا سرمایہ دار طبقہ بھی بوکھلا رہا ہے اور مزدوروں کے مسائل پر سنجیدگی سے توجہ دینے کے بجائے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مزدور طبقے کی ریڑھ کی ہڈی یعنی ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ پر حملے کروا رہا ہے۔

کسی بھی ترقی پسند تنظیم کی قوت اور اس کے انقلابی کردار کا اندازہ لگانے کے لئے صرف یہی دیکھنا کافی ہے کہ رجعت پرست حلقے اور سامراجی طاقتیں اس تنظیم کے خلاف کتنی شدت سے حملہ آور ہوتی ہیں سامراجی ایجنٹوں کے حملوں میں جس قدر شدت ہو گی اس کا مطلب ہے کہ وہ تنظیم اسی تناسب سے اپنا کردار ادا کر رہی ہے

یوں تو یہ یونین سامراج، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ایجنٹوں کی سازشوں کا نشانہ شروع ہی سے بنتی رہی ہے، مگر ان حملوں میں شدت اس یونین کے کام اور مزدوروں کی جدوجہد بڑھنے کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی جاتی ہے کچھ عرصے پہلے جب اس یونین کی انقلابی قیادت نے کراچی کے مزدوروں کو منظم

کرنے کے لئے "کراچی مزدور مرکزی کمیٹی" قائم کی اور کراچی کے سرمایہ داروں کو اس سے پریشانی لاحق ہوئی تو ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ پر سامراجی ایجنٹوں کی واحد نمائندہ تنظیم جماعت اسلامی نے براہ راست اور ناکام حملے کئے۔ مزدوروں کے ترجمان منشور کے خلاف پوسٹر، پمفلٹ، مراسلات، اور سامراجی ایجنٹوں کے بیانات شائع کرائے۔ پھر جب منشور نے انتہائی جرأت اور بہادری کے ساتھ اس مکروہ مہم کا منہ توڑ جواب دیا اور عوام میں اس نام نہاد مذہبی جماعت کے سامراجی کردار کو ننگا کیا تو اس جماعت نے دوسرا اختیار کیا اور ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے خلاف پی آئی اے کے ہی ان مفاد پرست اور اپنے آلۂ کار افراد کی طرف سے مقدمہ دائر کر دیا جس میں اس یونین کو غیر قانونی قرار دینے کی درخواست کی تھی۔ حق بہرحال حق ہوتا ہے۔ اس مقدمے کا فیصلہ ان سامراجی دلالوں کے منہ پر طمانچہ کی حیثیت سے پڑا۔ یہ پورا فیصلہ ہم منشور مارچ ۶۷ء کے شمارے میں شائع کر چکے ہیں۔

عدالت سے منہ کی کھانے کے بعد ان پھوٹ پرستوں نے ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کو توڑنے کی سازش کی اور مٹھی بھر افراد کو ورغلا کر ایک نام نہاد متوازی کاغذی یونین قائم کی جس میں بہت جلد ہی اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس نام نہاد کاغذی یونین کی حیثیت ان پھوٹ پرستوں کے لئے بھی ایک ناجائز اور غیر قانونی اولاد کی سی ہو گئی۔ اور ہر شخص اس سے لاتعلقی کا اعلان کرنے لگا۔

کراچی میں متوازی یونین کے سلسلے میں اپنے گھناؤنے عزائم میں ناکام ہونے کے بعد اس سامراجی ایجنٹوں کی تنظیم جماعت اسلامی نے سابقہ حکومت کے گندے انڈے کے ساتھ مل کر ڈھاکہ میں یہی گھناؤنا ڈرامہ کھیلا اور وہاں کے محنت کشوں کو صوبائی تعصب کا نشانہ بنا کر ایک نام نہاد یونین کی بنیاد ڈالی اور حکمران سیاسی جماعت کے مشرقی پاکستان کے ایک اعلیٰ عہدیدار کا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس یونین کا رجسٹریشن کرا لیا۔ اس کے باوجود بھی پی آئی اے کے محنت کشوں کے سامنے ان کے گھناؤنے مقاصد نہ چل سکے، مزدوروں کی واحد نمائندہ تنظیم ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کو مزدوروں کی خدمت سے باز رکھنے اور ان کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے کی غرض سے ان کے خلاف ایک مقدمہ ڈھاکہ میں منصف کی عدالت میں دائر کر دیا۔ جس میں اس بات کا سہارا لیا گیا کہ کیونکہ یہ نام نہاد کاغذی یونین رجسٹرڈ ہے اس لئے ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کو پی آئی اے کے محنت کشوں کی نمائندگی کرنے سے روک دیا جائے۔ صداقت بہرحال صداقت ہوتی ہے۔ عزت مآب منصف نے باقاعدہ کارروائی اور بحث و مباحثہ کے بعد ان پیشہ ور سامراجی دلالوں کا دعویٰ خارج کر دیا اور مزید حکم دیا کہ مقدمے کے اخراجات بھی مدعا علیہان کو ادا کئے جائیں

عزت مآب جناب منصف ایس آر ملاّ کا فیصلہ پیش خدمت ہے

یہ دعویٰ مندرجہ ذیل مدعا علیہان کے خلاف دائر کیا گیا تھا

۱۔ ایڈمن ڈائرکٹر پی آئی اے کارپوریشن کراچی
۲۔ فنانس ڈائرکٹر پی آئی اے کارپوریشن کراچی
۳۔ ایریا منیجر ایسٹ پی آئی اے کارپوریشن
۴۔ منیجنگ ڈائرکٹر پی آئی اے کارپوریشن کراچی
۵۔ پی آئی اے کارپوریشن کراچی
۶۔ ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کراچی
۷۔ ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ ڈھاکہ
۸۔ جناب سراج الدین سینئر اسٹور کیپر۔ پی آئی اے ڈھاکہ ایرپورٹ
۹۔ جناب اسدالزماں چودھری جونیئر اسٹور کیپر پی آئی اے ڈھاکہ ایرپورٹ

فیصلہ کا متن اگلے صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے

فاضل عدالت کا فیصلہ

اصل دعویٰ / مقدمے میں فیصلے کا عنوان
ہائی کورٹ فارم نمبر (جے) ۲
ضلع ڈھاکہ
ڈھاکہ میں منصف کی تیسری عدالت میں روبرو جناب ایس آر ملاّ
جمعہ ۲۳ر مئی سنہ ۱۹۶۹ء
ٹی۔ دعویٰ نمبر ۱۱۶ بابت ۱۹۶۹ء   پی آئی سی ایمپلائز یونین   مدّعی
بنام
ڈائرکٹر آف ایڈمنسٹریشن پی آئی اے   اور
دوسرے   مدعا علیہان

یہ دعوئے / مقدمہ آخری سماعت کے لئے ۱۰ر مئی سنہ ۱۹۶۹ء
کو مندرجہ ذیل کی موجودگی میں پیش ہوا
جناب کے ایس۔ بنی — وکیل مدعی
جناب اے۔ ایس۔ ایم شمس الزماں - وکیل مدعا علیہم نمبر ۶-۷
جناب ایس۔ ایم، کاظم رضوی وکیل مدعا علیہان نمبر ۱ تا ۵

اور آج تک اس پر غور کرنے کے بعد عدالت نے مندرجہ ذیل فیصلہ دیا ہے

یہ دعویٰ اعلان / فیصلے اور مستقل انجکشن / حکم امتناعی کے لئے ہے

مختصراً، مدعی کا مقدمہ / دعویٰ یہ ہے کہ مدعا علیہان ۸ اور ۹ مدعا علیہ ۵ یعنی پی آئی اے کارپوریشن کے ملازمین ہیں ان کی تنخواہ سے ہر ماہ ایک روپیہ کارپوریشن کی انتظامیہ یونین فیس کے نام سے مبینہ طور پر ان کی مرضی کے بغیر کاٹ لیتی تھی۔ پی آئی اے کے ملازمین نے ایک ٹریڈ یونین بنائی اور اس کو باقاعدہ رجسٹرار آف ٹریڈ یونینز حکومت مشرقی پاکستان کے پاس رجسٹرڈ کرایا گیا۔ مدعی مشرقی پاکستان میں مذکورہ کارپوریشن کی واحد نمائندہ یونین ہے۔ مدعی یونین نے مجلس عاملہ کے ممبران کی ایک میٹنگ منعقد کی اور ہر مزدور کی تنخواہ سے ایک روپیہ ماہانہ بطور یونین فیس کے کٹوتی کے طریقہ کار پر بحث کی جو کہ کٹوتی کے بعد مدعا علیہ ۷ کو ادا کر دیا جاتا تھا۔ مذکورہ مجلس عاملہ نے متذکرہ بالا غیر قانونی کٹوتی کے خلاف مناسب کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد سے مدعی یونین نے ملازمین کو اس غیر قانونی کٹوتی کے بارے میں بہت سی یاد دہانیاں (REMINDERS) جاری کیں اور ان سے اس کٹوتی کو رکوانے کی درخواست کی۔ مزدوروں نے انفرادی طور پر بھی انتظامیہ کو مذکورہ غیر قانونی کٹوتی کے خلاف احتجاج پیش کئے۔

مدعا علیہ ۱ نے مدعی یونین کو تسلیم کرنے کے بجائے جو کہ رجسٹرڈ یونین ہے ایک غیر رجسٹرڈ یونین یعنی ایئرویز ایمپلائز یونین کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ انتظامیہ نے مدعی یونین کی سرگرمیوں پر پابندیاں بھی عائد کی ہوئی ہے۔ مدعی یونین کیونکہ ایک رجسٹرڈ یونین ہے اس لئے صرف یہی یونین ہے جو کہ مذکورہ کارپوریشن کے ڈھاکہ میں ملازمین کی نمائندگی کر سکتی ہے نہ کہ مدعا علیہ ۶ کی یونین۔ مدعا علیہ ۱ کا یکم اپریل ۱۹۶۹ء کا جاری کیا ہوا حکم بغیر کسی قانونی اختیار کے ہے کیونکہ اس میں ایک رجسٹرڈ ٹریڈ یونین کی موجودگی کے دوران ایک غیر رجسٹرڈ یونین کے عہدیداران کو ملازمین کی طرف سے بات چیت کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس لئے مدعی نے یہ دعویٰ دائر کیا ہے۔

مدعا علیہ ۱ تا ۵ نے مشترکہ تحریری بیان داخل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایئرویز ایمپلائز یونین، جس کا ہیڈ آفس کراچی میں ہے سنہ ۱۹۵۵ء سے کام کر رہی ہے اور ایک ٹریڈ یونین کی حیثیت سے باقاعدہ تسلیم شدہ ہے۔ جہاں تک یونین کے نمائندہ کردار کا تعلق ہے، انتظامیہ کا موقف ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جو کہ ان دو یونینوں کے درمیان ہی طے ہونا چاہئے اور انتظامیہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تسلیم کرنے کے معاملے میں، یہ عدالت وہ مناسب جگہ نہیں ہے جہاں ایسے نکتوں پر بحث کی جا سکے اور اس طرح مدعی کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس عدالت میں کوئی اعلان نامہ یا حکم امتناعی مانگے ان حالات میں یہ دعویٰ مسترد کیا جانا چاہئے۔

مدعا علیہان ۶ اور ۷ نے بھی مشترکہ تحریری بیان داخل کیا اور کہا کہ یہ دعویٰ برقرار رکھنے کے لائق نہیں ہے اور اس عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اس دعوے پر توجہ دے۔ یہ دعویٰ فریقوں کے NON-JOINDER کی وجہ سے بھی برا ہے۔ مدعی کا ایک ٹریڈ یونین کی حیثیت سے رجسٹریشن مدعا علیہ ۶ اور اس کی ڈھاکہ شاخ مدعا علیہ نمبر ۷ کے تسلیم کئے جانے اور کام کرنے

پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ مدعی یونین حکومت کو فریب دے کر رجسٹرڈ کرائی گئی تھی۔ مدعا علیہ نمبر ۵ نے رجسٹرار سے درخواست کی ہے کہ وہ مدعی یونین کا رجسٹریشن منسوخ کر دے۔ تمام مزدور سرپرست ادارہ PAREMT BODY یعنی مدعا علیہ نمبر ۶ کے ممبران ہیں اور اس سے متعلق ہیں جو کہ ایک تسلیم شدہ ادارہ ہے اور قانونی طور پر تمام مزدوروں کی نمائندگی کرنے کی مجاز ہے، مدعا علیہ نمبر ۶ مزدوروں کی یونین کا ایک پاکستان گیر ادارہ ہے اور ایک باقاعدہ تسلیم شدہ ٹریڈ یونین ہے۔ قانون کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ ایسٹ پاکستان ٹریڈ یونین ایکٹ ۱۹۶۵ء کے تحت رجسٹرڈ کرائی جائے۔ یکم اپریل سنہ ۱۹۶۹ء کا حکم مکمل طور پر جائز ہے اور ایک قانونی حق کے ساتھ جاری کیا گیا ہے۔ مدعی کا دعویٰ بے بنیاد اور تکلیف دہ ہے اس کو مسترد کر دیا جانا چاہئے۔

مندرجہ ذیل نکات طے کرنے کے لئے اٹھائے گئے ہیں

۱۔ کیا اس دعوے میں مدعی کے لئے کوئی کارروائی کا جواز (CAUSE OF ACTION) ہے ؟
۲۔ کیا دعویٰ اپنی موجودہ شکل میں برقرار رکھا جا سکتا ہے ؟
۳۔ کیا عدالت کے دائرۂ اختیار میں اس دعوے پر کارروائی TRY کرنا ہے ؟
۴۔ کیا یہ دعویٰ فریقوں کے NON-JOINDER کی وجہ سے خراب ہے
۵۔ کیا مدعی اس دعوے میں مانگے ہوئے RELIEF کا مستحق ہے ؟

FINDINGS

نکتہ نمبر ۳ :-

سب سے پہلے میں اس نکتے کو سلجھانے کی تجویز کرتا ہوں کہ۔

آیا اس دعوے پر کارروائی کرنا اس عدالت کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ مدعا علیہان کے فاضل وکلاء کا موقف یہ ہے کہ اس عدالت کو اس دعوے پر کارروائی کرنے کا کوئی علاقائی دائرہ اختیار نہیں ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ چونکہ مدعا علیہان نمبر ۱، ۲، ۴، ۵ اور ۶ کراچی میں رہتے ہیں۔ اس لئے C.P.C کی دفعہ ۱۵ اور ۱۹ کے مطابق اس عدالت کے دائرۂ اختیار میں اس دعوے پر کارروائی کرنا نہیں ہے۔ مدعی کے فاضل ایڈوکیٹ کا موقف یہ ہے کہ مدعا علیہان نمبر ۳، ۷، ۸ اور ۹ ڈھاکہ میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا موقف ہے کہ کارروائی کا جواز CAUSE OF ACTION ڈھاکہ میں ہوا ہے۔ اس لئے اس عدالت کے دائرہ اختیار میں ہے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۰ کی بین السطور پر نظر ڈالنے سے میری رائے ہے کہ اس دعوے پر کارروائی کرنا اس عدالت کے دائرہ اختیار میں ہے اس لئے میں اس نکتہ کا جواب مثبت پاتا ہوں

نکات نمبر ۲ و ۴

مدعا علیہان کے فاضل وکیل یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۶ ایک غیر رجسٹرڈ ایسوسی ایشن ہے اور ایک عدالتی شخصیت JURISTIC PERSONALITY نہیں ہے۔ اس لئے اس کے نام پر اس کے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس کے علاوہ تعزیرات پاکستان کے O-IR-8 کے مندرجات کے مطابق عدالت سے مدعا علیہ نمبر ۶ کے خلاف دعویٰ کرنے کی رخصت LEAVE بھی نہیں لی گئی تھی۔ فاضل وکیل نے ایک سابقہ فیصلے کا حوالہ دیا ہے۔ جو کہ AIR-1940-AUDH, 129 میں درج ہے۔ فیصلے کا متعلقہ حصہ اس طرح ہے " جہاں کوئی دعویٰ کسی ایسوسی ایشن یا غیر رجسٹرڈ ادارے کی طرف سے یا اس کے خلاف لایا جاتا ہے تو اس کا کوئی ایک ممبر تنہا نہ تو دعوے کر سکتا ہے اور نہ اس پر دعویٰ ہو سکتا ہے۔ دعویٰ اس کے تمام ممبروں کی طرف سے یا کے خلاف دائر کیا جا سکتا ہے۔ کسی ایسوسی ایشن کے خلاف پاس ہونیوالی ڈگری کا ایسوسی ایشن کے ممبران کو پابند بنانے کے لئے O-IR-8 میں بیان کردہ طریقۂ کار اختیار کرنا ضروری ہے، اور اگر اس ضابطے میں بیان کردہ طریقۂ کار اختیار نہیں کیا گیا ہے تو دعوے کا نتیجہ ان لوگوں پر اثر انداز نہیں ہوگا جو کہ دستاویزات پر موجود نہیں ہے تو یہی اصول ایک دوسرے فیصلے میں بھی سامنے رکھا گیا ہے جو کہ AIR الہ آباد ۱۹۲۵ء کے صفحہ ۳۳۷ پر بیان کیا گیا ہے۔ متعلقہ حصہ اس طرح ہے۔

" غیر رجسٹرڈ ادارہ کا ـــ تمام ممبران قانونی کارروائی میں شامل ہونے ضروری ALL MEMBERS MUST BE IMPLEADED مذکرہ بالا بحث کے پیش نظر میری رائے ہے کہ یہ دعویٰ برقرار رکھے جانے کے لائق نہیں ہے۔

مدعا علیہان کے فاضل وکلاء کا یہ بھی موقف ہے کہ یہ دعویٰ فریقوں کے NON JOINDER کی وجہ سے خراب ہے کیونکہ مدعا علیہ نمبر ۶ جو کہ ایک غیر رجسٹرڈ ایسوسی ایشن ہے، کے تمام ممبران اس دعوے کی قانونی کارروائی میں شامل نہیں کئے گئے ہیں۔ میں مدعا علیہ کے اس موقف کو تسلیم کرتا ہوں اور یہ رائے رکھتا ہوں کہ یہ دعویٰ فریقوں کے NON JOINDER کی وجہ سے خراب بھی ہے۔ اس لئے میں نکتہ نمبر ۲ کا جواب منفی میں اور نکتہ نمبر ۴ کا جواب مثبت میں چاہتا ہوں۔

نکات نمبر ۱، ۵ اور ۶

ان نکات کو بحث میں سہولت کیلئے ایک ساتھ لیا گیا ہے۔ مدعی نے یہ دعویٰ اس اعلان کے لئے کہ مدعی ہی پی آئی اے کارپوریشن کے ڈھاکہ میں ملازمین کی واحد نمائندہ ٹریڈ یونین ہے اور مدعا علیہان نمبر ۱ سے ۵ کو مدعا علیہ نمبر ۶ سے بات چیت کرنے اور اسے کارپوریشن کی نمائندہ ٹریڈ یونین تسلیم کرنے سے روکنے کے لئے مستقل حکم امتناعی حاصل کرنے کے لئے دائر کیا ہے۔ مدعا علیہان کا موقف ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۶ مزدوروں کی یونین کا ایک کل پاکستان گیر ادارہ ہے

اور ایک باقاعدہ تسلیم شدہ ٹریڈ یونین ہے اور مدعا علیہ نمبر ۷ اس کا ایک حصہ ہے ۔ یہ ۱۹۵۵ء سے کام کرتی رہی ہے اور ایک ٹریڈ یونین کی حیثیت سے باقاعدہ تسلیم شدہ ہے ۔ مدعی یونین ۷ اردسمبر ۱۹۶۸ء کو رجسٹرڈ ہوئی تھی ۔ ایسے حالات میں جبکہ مدعا علیہ نمبر ۶ یونین ۱۹۵۵ء سے کام کر رہی ہے اور جبکہ انتظامیہ اس کو باقاعدہ تسلیم کرتی ہے ایسی صورت میں اس قسم کا اعلان کہ صرف مدعی یونین ہی پی آئی اے کارپوریشن کی نمائندہ ٹریڈ یونین ہے قابل قبول نہیں ہے مدعا علیہان کی طرف سے یہ دلیل بھی دی گئی کہ مدعی یونین جو کہ ایک غیر تسلیم شدہ یونین ہے، کسی بھی تنازعے کو اٹھانے کیلئے کوئی LOCUS STAND رکھ سکتی ۔ اس سلسلے میں انہوں نے 190 L.r. (SC) کے صفحہ ۱۸ پر بیان کردہ ایک فیصلے کا حوالہ دیا ہے ۔ فیصلے کا متعلقہ حصہ اس طرح ہے ۔" ٹریڈ یونین جو ایک تسلیم شدہ یونین باقی نہ رہی ہو اس کے پاس صنعتی تنازعہ اٹھانیکے لئے کوئی LOCUS STANDI نہیں ہے" میرا خیال ہے ۔ کہ مدعا علیہان کا یہ موقف وزنی ہے ۔ مدعا علیہان کی طرف سے یہ موقف بھی اختیار کیا گیا کہ مدعا علیہ نمبر ۶ پی آئی اے سی کے مزدوروں کا ایک کل پاکستان ادارہ ہے جبکہ مدعی یونین صرف ڈھاکہ کے مزدوروں کی یونین ہے ۔ مدعا علیہان کا کہنا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ۳۴۸۱ مزدور ہیں ۲۴۴۲ ڈھاکہ میں، ۲۲۹ چاٹگام میں، ۷۴ جیسور میں، ۳۰ سلہٹ میں، ۱۱ شمشیر نگر میں، ۱۴ کومیلا میں، ۲۶ ایشردی، ۱۰ ٹھاکر گاؤں میں ۲۶ کھلنا میں اور ۸ کاکس بازار میں، ان کا موقف ہے کہ تمام مزدور مدعا علیہ نمبر ۶ کے ممبران ہیں ۔ مدعا علیہان کا مزید موقف یہ ہے کہ صرف ڈھاکہ میں مدعی یونین کا قیام سرپرست ادارہ یعنی مدعا علیہ نمبر ۶ سے رکنیت ختم کر دے گا اور یہ پی آئی اے سی کے عام مزدوروں کی فلاح اور مفاد میں اچھا نہیں ہوگا، میری رائے میں مدعا علیہان کے یہ دلائل وزن رکھتے ہیں ۔ زیر بحث مقدمے میں مدعی یہ ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے کہ اگر اس کا مانگا ہوا اعلان منظور نہ کیا گیا تو اس کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا میرے مندرجہ بالا FINDING اور مشاہدات کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ مدعی ایک ایسے اعلان کا مستحق نہیں ہے جس کی رو سے مدعی ہی کو پی آئی اے سی ڈھاکہ کے ملازمین کی واحد نمائندہ ٹریڈ یونین قرار دیا جائے ۔

مدعی نے، مدعا علیہان نمبر ۱ سے ۵ کو مدعا علیہ نمبر ۷ سے گفتگو کرنے یا اسے کارپوریشن کی نمائندہ ٹریڈ یونین تسلیم کرنے سے روکنے کیلئے اور مدعا علیہ نمبر ۷ کو مذکورہ کارپوریشن کے ملازمین کے نمائندہ کی حیثیت سے کام کرنے سے مستقل طور پر روکنے کیلئے مستقل حکم امتناعی کی بھی درخواست کی ہے مدعی کی خاص دلیل یہ ہے کہ وہ ایک رجسٹرڈ ٹریڈ یونین ہے ۔ اور اس لئے مدعی یونین ہی وہ ادارہ ہے جو کہ پی آئی اے سی کے ملازمین کی نمائندگی کر سکتی ہے ۔ مدعی کا یہ بھی موقف ہے کہ مدعا علیہان نمبر ۶، ۷ جو کہ رجسٹرڈ ٹریڈ یونین نہیں ہیں، پی آئی اے سی کے ملازمین کی نمائندگی نہیں کر سکتی ہیں ۔ میری پہلے ہی یہ رائے ہے کہ ایک غیر رجسٹرڈ یونین بھی فنکشن کر سکتی ہے ۔ قانون ایک غیر رجسٹرڈ ٹریڈ یونین کو فنکشن کرنے سے منع نہیں کرتا ۔ زیر بحث مقدمے میں مدعا علیہ نمبر ۶ اور اسی طرح مدعا علیہ نمبر ۷ جو کہ مدعا علیہ نمبر ۶ کا ہی ایک حصہ ہے ۱۹۵۵ء سے آجر یعنی پی آئی اے سی سے تسلیم شدہ یونین کی حیثیت سے کام کرتی رہی ہے ۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ پی آئی اے سی ایک کل پاکستان ادارہ ہے جبکہ مدعی پی آئی اے سی کے صرف ڈھاکہ میں مزدوروں کی نمائندگی کرتا ہے ۔ ان حالات میں میں مدعا علیہان کے موقف میں کافی وزن پاتا ہوں کہ مدعی یونین سرپرست یونین یعنی مدعا علیہ نمبر ۶ کو کمزور کر دے گی اور رکنیت سے محروم کر دے گی ۔ متذکرہ بالا بحث کے پیش نظر میں نہیں سمجھتا کہ مدعی نے اپنا کوئی قانونی حق قائم کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی ہوئی ہے ۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مدعی، مدعا علیہان کے خلاف مستقل حکم امتناعی کی ڈگری کا حقدار نہیں ہے ۔ مدعی کی یہ بھی درخواست ہے کہ مدعا علیہان نمبر ۱ سے ۵ کو ملازمین کی تنخواہوں سے مدعا علیہان نمبر ۶ ۷ کے لئے حکم امتناعی دیا جائے ۔ مدعی کے فاضل وکیل نے مشرقی پاکستان ٹریڈ یونین ایکٹ ۱۹۶۵ء کے سیکشن ۴۰ اور سیکشن ۱۶ کا حوالہ دیا ہے ۔ دعوے کے پیرا ۸ میں یہ کہا گیا ہے کہ مدعا علیہان نمبر ۸، ۹ کارپوریشن کے ملازمین ہیں ان کی تنخواہوں سے کارپوریشن کی انتظامیہ ہر ماہ ایک روپیہ بطور یونین فیس کے بغیر ان کی مرضی کے اور ان کے احتجاجات کے باوجود کاٹ لیتی ہے ان مدعا علیہان نمبر ۸، ۹ نہ تو تحریری بیان داخل کیا ہے اور نہ اس مقدمے میں خود پیش ہوئے ہیں ۔

مدعا علیہان کے فاضل وکیل کا موقف ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۸، ۹ کو جھوٹے طریقے سے اس مقدمے میں ملوث کیا گیا ہے، ان حالات میں اس موقف کو تسلیم کرتا ہوں اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان ٹریڈ یونین ایکٹ کی دفعات کے ۱۶، ۴۰ اس مسئلہ میں پیش نہیں کی جا سکتیں ۔

میرے مذکورہ بالا مشاہدات اور تحقیقات کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ مدعی اس دعوے میں مانگے ہوئے کسی بھی ریلیف کے پانے کا مستحق نہیں ہے اس لئے ۔ حکم دیا جاتا ہے کہ دعویٰ بعد بحث مقابلہ کرنیوالے مدعا علیہان کو اخراجات کے ساتھ اور بقیہ کے خلاف یکطرفہ طور پر بغیر اخراجات خارج کیا جاتا ہے ۔

دستخط :-
ایس آر ملا - ۲۳/۵/۶۹
ٹائپ :- دستخط ناقابل شناخت

دستخط
ایس آر ملا منصف ۲۳/۵/۶۹
موازنہ :- دستخط ناقابل شناخت

ہر خوش پسند خاتون
مالٹا ہی پسند کرتی ہے

مالٹا بناسپتی

کیونکہ اُسے مالٹا بنانے والوں کی بلند معیاری پر اعتماد ہے۔ اور وہ جانتی ہے کہ بناسپتی کی عمدگی کا راز اُس کے خالص ہونے میں ہی مضمر ہے۔

مالٹا بناسپتی کی نہ مہک مصنوعی ہے اور نہ رنگ۔ اِسی لئے مالٹا بناسپتی سے تیار کردہ کھانوں کا اپنا اصلی رنگ و بُو جُوں کا توں قائم رہتا ہے۔

لذیذ اور پُرغذا
کھانوں کے لئے
خالِص مالٹا بناسپتی

ای۔ ایم۔ آئل ملز اینڈ انڈسٹریز لمیٹڈ

impact

Regd. No. S-2575

JUNE-JULY 1969

THE MONTHLY **MANSHOOR** KARACHI

لوگ کہتے ہیں
پی آئی اے کے پائلٹ
بڑے بَاکمال ہیں
... ٹھیک ہی تو کہتے ہیں ...
ورنہ اتنی مَہارَت کیساتھ
ہوائی جہاز اتارنا
کوئی آسَان کام ہے؟

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائِنز

Mashhoor Press, Karachi—